مطالعہ قرآن حکیم کا

منتخب نصاب (درسی)

نکات برائے درس وتدریس

حصہ چہارم

مؤلف

حافظ انجینیر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

شعبہ مطبوعات

انجمن خدام القرآن سندھ کراچی رجسٹرڈ

مرحوم ومغفور مؤسس انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی دیرینہ خواہش اور عمل کے عین مطابق، انجمن ہذا اپنی تمام تصنیفات، تالیفات اور خطابات (آڈیوز/وڈیوز) کو طبع اور تیار کر کے چاہے قیمتاً یا مفت تقسیم کرنے کی مکمل اجازت دیتی ہے، اس ضمن میں ہمارا "محفوظ حقوق" کا کوئی تقاضا بھی نہیں۔ البتہ اجراء کنندہ ان تمام مواد کے نسخے/نقل، اجراء سے قبل انجمن کو تحریری اطلاع کے ساتھ بھیجنے کا پابند ہوگا اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ یہ تبدیلی یعنی الفاظ، غلط اقتباس، سیاق وسباق سے الگ کر کے جملے کا حوالہ یا اس کا ایسا استعمال جس سے انجمن ہذا اور اس کے مولفین کی صحیح ترجمانی نہ ہوتی ہو اور اس سے ہماری عزت وشہرت پر حرف آئے، تو ہم اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتے ہیں۔

نام کتاب	:	منتخب نصاب (درسی) حصہ چہارم
مؤلف	:	حافظ انجینیر نوید احمدؒ
ناشر	:	مطبوعات، انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی مرکزی دفتر: B-375 علامہ شبیر احمد عثمانی" روڈ بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی فون: 7-34993436-21-92+
ای میل	:	Publications@QuranAcademy.com
ویب سائٹ	:	www.QuranAcademy.com
طبع 01 تا 05	:	9000
طبع 06	:	ربیع الثانی 1444ھ نومبر 2022ء
تعداد	:	1100
قیمت	:	420/=

ملک بھر میں قرآن اکیڈمیز و مراکز

Karachi:
Quran Academy Defence 021-35340022-4
Quran Academy Yaseenabad 021-36337361 - 36806561
Quran Academy Korangi 021-35074664
Quran Institute Gulistan-e-Johar 021-34030119

Hyderabad:
Quran Academy Qasimabad 022-2106187
Quran Institute latifabad 022-3860489

Sukkur:
Quran Markaz Sukkur 071-5807281

Quetta:
Quran Academy Quetta 081-2842969

Jhang:
Quran Academy Jhang 047-7630861 - 7630863

Faisalabad:
Quran Academy Faisalabad 041-2437618

Lahore:
Quran Academy Lahore 042-35869501-3

Multan:
Quran Academy Multan 061-6510451 - 6520451

Islamabad:
Quran Academy Islamabad 051-2605725

Gujranwala:
Quran Markaz Gujranwala 055-3891695 - 0334-4600937

Peshawar:
Quran Markaz Peshawar 091-2584824 - 2019541

Malakand:
Quran Markaz Temargara 0945-601337

Azad Kashmir:
Quran Markaz Muzaffarabad 0982-2447221

انتساب

اُن باہمت حضرات وخواتین کے نام

جو الفاظِ قرآنی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس 10:58)

پر یقین کی عملی مثال قائم کرتے ہوئے اور حدیثِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری)

کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا کی عارضی لذتوں کے مقابلے میں

آخرت کی ابدی کامیابی کے حصول کے لیے

اپنی بہترین صلاحیتیں

قرآنِ کریم کے سیکھنے اور سکھانے کے لیے

وقف کردیں۔

فہرست

1	منتخب نصاب حصّہ چہارم تعارف	5
2	درسِ اوّل: سورۃ الحج[22] آیات 73-78	7
3	درسِ دوم: سورۃ التوبہ[9] آیت 24	29
4	درسِ سوم: سورۃ الصف[61]	47
5	درسِ چہارم: سورۃ الجمعہ[62]	84
6	حقیقتِ نفاق	131
7	درسِ پنجم : سورۃ المنافقون[63]	153

حوالہ جات

- ''مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب'' کتابی صورت میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن ترجمہ اور مختصر تفسیر موجود ہے۔
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے دروس پر مشتمل الہدیٰ کمپیوٹر CD
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 3 کمپیوٹر CDs، 12 DVD's اور USB پر موجود ہیں

منتخب نصاب حصّہ چہارم

تعارف

- منتخب نصاب حصّہ چہارم کا موضوع ہے "تواصی بالحق" یعنی باہم مل جل کر اور اہتمام سے حق بات کی تلقین کرنا۔ اس حوالے سے منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کے درسِ سوم (سورۃ لقمان[31] رکوع2) میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصطلاح آچکی ہے جس کا مفہوم ہے کہ خیر کے ہر کام کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہوئے اسے جاری و ساری کرنا اور شر کے ہر کام کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے اِس کا راستہ روکنا۔ اِس کے بعد حصّہ اوّل ہی کے درسِ چہارم (حٰمٓ السجدۃ[41] آیت33) میں دعوت الی اللہ کی اصطلاح آئی جس کی شرح اِس طرح کی گئی کہ اعلیٰ ترین کام یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ پر پوری توحید کے ساتھ ایمان لانے اور زندگی کے ہر گوشے میں اِس کی بندگی کرنے کی دعوت دی جائے۔ اِس کے بعد سورۃ الحجرات[49] میں جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی۔ خارج میں جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز دعوت سے ہوتا ہے لہٰذا اِس اصطلاح میں بھی تواصی بالحق کا مفہوم شامل ہے۔
- منتخب نصاب کا حصّہ چہارم پانچ دروس پر مشتمل ہے۔ ان دروس کے موضوعات اور ان کا باہمی ربط حسبِ ذیل ہے:
- درسِ اوّل (الحج[22] آخری رکوع) قرآن کی دعوت کے موضوع پر انتہائی جامع مقام ہے۔ اس مقام پر دعوتِ ایمان بھی دی گئی ہے اور دعوتِ عمل بھی۔ اِس درس کے آخر میں عملی اعتبار سے اہم ترین فریضہ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت بڑے تاکیدی اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔
- درسِ دوم (التوبۃ[9] آیت 24) میں جھنجھوڑنے کے انداز میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو ہر شے کی محبت سے عزیز تر کرنے اور اِس کے عملی ثبوت کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔

- درسِ سوم (الصّف[61]) میں ترہیب و ترغیب دونوں اسالیب سے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر سورۃ الصّف[61] قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت ہے۔
- درسِ چہارم (الجمعة[62]) میں دعوت الی اللہ کے مرکز و محور یعنی قرآنِ حکیم کے پڑھنے اور پڑھانے کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔
- درسِ پنجم (المنافقون[63]) میں "نفاق" کو سزا قرار دیا گیا اُن لوگوں کے لیے جو جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرتے ہیں اور پھر نفاق کی جملہ تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔

درسِ اوّل:

سورۃ الحج 22 آیات 73-78

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا
ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ
الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝٧٣ مَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝٧٤ اَللهُ يَصْطَفِيْ
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝٧٥ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا
خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٧٦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ
وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٧٧ وَ جَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۬ۙ مِنْ
قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝٧٨

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ اوّل سورۂ حج کے آخری رکوع کی چھ آیات (73-78) پر مشتمل ہے۔

2. قرآنِ حکیم کی طویل سورتوں میں سے اکثر کے آغاز و اختتام پر انتہائی اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی سورتوں کا اسلوب خطبہ کا سا ہے۔ اچھے خطبہ کا یہ وصف ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی اور آخری حصّہ انتہائی مؤثر اور توجہات کو مائل کرنے والا ہوتا ہے۔ سورۂ حج کا آخری رکوع "قرآن کی دعوت" کے موضوع پر انتہائی جامع مقام ہے۔

3. مضامین کے اعتبار سے اس رکوع کی آیات کا تجزیہ حسبِ ذیل ہے:

- ابتدائی چار آیات (73-76) کل نوعِ انسانی کے لیے دعوتِ ایمان
  - آیات 73-74 توحیدِ باری تعالیٰ
  - آیت 75 رسالت
  - آیت 76 آخرت
- آیات 77-78 اہلِ ایمان کے لیے دعوتِ عمل

4. اِس مقام کی پہلی آیت اعجازِ قرآنی کے اِس پہلو کی بہترین وضاحت ہے کہ قرآنِ حکیم ہر دور کے عوام و خواص کے لیے ہدایت فراہم کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم اپنے زمانۂ نزول کے وقت موجود نظریات، معاملات اور مذہبی روایات کے پس منظر میں ایسا سادہ اندازِ بیان اختیار کرتا ہے کہ مخاطبینِ اوّل اِسے خود سے متعلق سمجھتے ہیں۔ البتہ بین السطور ایسے حکیمانہ نکات بیان کیے جاتے ہیں کہ ہر دور کے بڑے سے بڑے فلسفی اور دانا انسان کی علمی پیاس کی سیری اور ذہن و فکر کی رہنمائی کا سامان بھی ہو جاتا ہے۔

آیات پر غور و فکر

آیت 73:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ... اے لوگو! ... ضُرِبَ مَثَلٌ ... ایک مثال بیان کی گئی ... فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ... پس اسے غور سے سنو ... اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... بے شک وہ ہستیاں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ... لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا ... وہ ہرگز نہیں بنا سکتیں ایک مکھی ... وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ... اگرچہ وہ سب اُس کے لیے جمع ہو جائیں ... وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا ... اور اگر مکھی اُن سے کوئی شے چھین لے ... لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ... وہ ہستیاں اُسے چھڑا نہیں سکتیں ... ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ لاچار ہے طالب (عابد) اور مطلوب (معبود)۔

اِس آیت میں ایک عام فہم مثال بیان کر کے اِسے غور سے سننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سَمِعَ - یَسْمَعُ کے معنی ہوتے ہیں سننا اور اِسْتَمَعَ - یَسْتَمِعُ کے معنی ہوتے ہیں غور سے سننا۔ سورۃ الاعراف[7] آیت 204 میں فرمایا گیا:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

- جن بتوں یا معبودوں کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ اس پر بھی قدرت نہیں رکھتے کہ مکھی جیسا حقیر کیڑا تخلیق کر سکیں۔ تخلیق تو در کنار اگر مکھی اُن کے سامنے رکھے ہوئے "تبرکات" میں سے کچھ لے اڑے تو اُسے مکھی سے چھڑانے پر بھی قادر نہیں۔ عام آدمی مٹی کے بتوں کو ہی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس پر اِس مثال کے ذریعہ اُن بتوں کی بے بسی اِسی طرح ظاہر ہو گئی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ کر اور بڑے بت کو سلامت چھوڑ کر قوم کے سامنے معبودانِ باطل کی لاچارگی عیاں کر دی تھی۔ سورۃ الانبیاء[21] آیات 58 تا 67 میں اِس واقعہ کا ذکر یوں ہوا:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

"پھر (ابراہیم علیہ السلام) نے اُن (بتوں) کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تا کہ وہ اُس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان (کی نفی) کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، اُس کو ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ

تاکہ وہ گواہ رہیں۔(جب ابراہیم علیہ السلام آئے تو) بت پرستوں نے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے کیا ہے؟(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا(نہیں) بلکہ یہ اُن کے اُس بڑے (بت) نے کیا(ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو اُن سے پوچھ لو؟ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے کہ بیشک تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر (ضد نے) اُن کے سر اُلٹ دیئے (اور ڈھٹائی سے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ تُف ہے تم پر اور اُن پر بھی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟"

بعض فلسفی بت پرستی کی توجیہہ اِس طرح سے کرتے ہیں کہ یہ خالق کی طرف توجہ کو مرتکز کرنے کا ذریعہ ہے۔ اقبال اپنی نظم شکوہ میں اِس توجیہہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی اِنساں کی نظر
مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر

اِنسان کی نگاہ "خوگرِ پیکرِ محسوس" ہے لہٰذا "اَن دیکھے "معبود کی طرف ارتکازِ توجہ نیک ہستیوں کی مورتیوں کی پرستش سے ہوتی ہے۔ اِس آیت میں ایک بلیغ مثال کے ذریعہ اُن نیک ہستیوں کی عاجزی بھی نمایاں ہوگئی۔ فرشتے ہوں یا اولیاء اللہ، یہ سب بھی مل کر ایک مکھی بنانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ مکھی بنانا تو بہت دور کی بات ہے، مکھی اگر اُن کے سامنے رکھے ہوئے تبرّک کا ذرّہ لے اُڑے تو اُس سے واپس لینے پر قادر نہیں۔

- اِسی آیت میں "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ" یعنی مطلوب اگر کم تر ہو تو طالب بھی کم تر ہوتا ہے کے الفاظ میں خواص کے لیے حکمتِ قرآنی کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اِس حکمت کی وضاحت حسبِ ذیل نکات کی صورت میں کی ہے:

1. انسان کہلانے کا حق دار وہی ہے جس کا حیوانی تقاضوں سے بلند تر کوئی مقصد، مطلوب یا نصب العین ہو۔ یہ تو حیوانات ہیں جن کا اپنا کوئی مقصد نہیں ہوتا، وہ زندگی برائے زندگی کے اصول پر جیتے ہیں اور انسان انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اگر

کسی انسان کا کوئی معین نصب العین نہیں تو وہ پیکر انسانی میں ایک حیوان ہے اور وہ زندگی نہیں گزار رہا بلکہ زندگی اُسے گزار رہی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کی وعید قرآنِ حکیم میں کئی بار آئی ہے:

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (الاعراف[7]:179)

"اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں، اُن کے دل ہیں لیکن اُن سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ (الانفال[8]: 22)

"کچھ شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں وہ بہرے گونگے جو کچھ نہیں سمجھتے"۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ (الملک[67]:22)

"بھلا جو شخص (جانوروں کی طرح) چلتا ہو چہرہ اوندھا کیے ہوئے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر چل رہا ہو برابر (سر اُٹھائے ہوئے)"۔

2. "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ" کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نصب العین اگر پست ہو تو اُس کے حصول کے لیے سعی و جہد کے نتیجے میں ایک پست سیرت و کردار وجود میں آتا ہے۔ نصب العین اگر اعلیٰ و ارفع ہو تو اُس کے حصول کے لیے محنت و مشقت سے انسان ایک اعلیٰ شخصیت کی تعمیر کر سکتا ہے۔ کمند جتنی اونچی پھینکی جائے گی اِسی قدر بلندی تک انسان چڑھ سکے گا:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مندرجہ بالا حقیقت کو چند مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے:

- جس کا نصب العین محض اپنی ذات ہو یعنی شہرت، دولت، یا اقتدار کی طلب تو ایسا شخص خود غرض ہو گا۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کسی کو حتیٰ کہ پوری قوم کو بھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرے گا۔
- جس کا نصب العین اپنی قوم، برادری یا وطن کی سربلندی ہو وہ پہلے شخص سے بہتر ہو گا اور قومی مفادات کی خاطر ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے گا۔
- جس کا نصبِ العین انسان دوستی ہو وہ نسبتاً زیادہ فراخ دل اور نوعِ انسانی کی خدمت کے لیے سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہو گا۔
- اعلیٰ ترین نصب العین ہے ذات باری تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول۔ بقول اقبالؒ "منزلِ ما کبریاست" اور "یزداں بہ کمند آورائے ہمتِ مردانہ"۔ اللہ کی رضا کا حصول، اِس سے محبت اوراس کی جستجو ہماری روح میں اِسی طرح سے ہے جس طرح ہمارے جسم میں غذا کے لیے بھوک۔ روح کی اِس جستجو کو تسکین حاصل ہوتی ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت سے۔ جس کی رسائی یہاں تک ہو گئی اب ایسا انسان صرف انسانیت سے نہیں جملہ مخلوقات سے محبت کرتا ہے، اِس لیے کہ وہ اُس کے محبوب کی تخلیق ہیں۔ گویا مطلوب اگر بلند ہو تو طالب کو بھی بلند کرداری حاصل ہو جاتی ہے۔ اِس نصب العین سے جو سیرت و کردار وجود میں آتا ہے اس کا کامل و اکمل نمونہ نبی کریم ﷺ ہیں جو کہ "رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" ہیں۔ جس طرح جسم کو اپنی بھوک کی تسکین کے لیے بہتر غذا نہ ملے تو وہ کم تر غذا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے، اِسی طرح اگر روح کی رسائی اللہ تعالیٰ تک نہ ہو تو پھر وہ کسی کم ترشے کو معبود کا درجہ دے کر نصب العین بنا لیتی ہے:

گاہ میری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

یہ توہمات، اِنسان کی قیمتی زندگی کو اپنی طرف مائل کر کے ضائع کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

- دولت کی محبت۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ [1]

"برباد ہو گیا دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ"۔

- وطن کی محبت، بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

- باطل نظریہ کی محبت (جیسے اشتراکیت)
- کسی قائد یا رہنما کی محبت (جاپان کے شاہ ھیروہیٹو کے لیے خودکشی کی رسم)

اِک تصور کے حسنِ مبہم پر ساری ہستی لٹائی جاتی ہے
زندگی ترکِ آرزو کے بعد کیسے سانسوں میں ڈھالی جاتی ہے

سورۃ البقرۃ[2] آیت 165 میں کہا گیا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ

"لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مدمقابل ٹھہرا لیتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے"۔

اِنسان کو اپنی زندگی کسی گھٹیا اور پست نصب العین کے لیے نہیں برباد کرنی چاہیے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے Never settle for less۔ اپنی صلاحتیں لگانے اور زندگی کھپانے کے لیے اعلیٰ ترین نصب العین اللہ کی رضاجوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ (البقرۃ[2]:165)

"اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں"۔

آیت 74:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ... انہوں نے اللہ کو پہچانا نہیں جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق تھا...

(1) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ

إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾ بے شک اللہ قوت والا زبردست ہے۔

- یہ آیت واضح کررہی ہے کہ شرک کی بنیادی وجہ معرفتِ الٰہی کا فقدان ہے۔ لوگ گھٹیا اور پست نصب العین اس لیے چُن لیتے ہیں کہ وہ اللہ کی قدرت، قوت، اختیار اور جاہ و جلال کا درست اندازہ نہ کرسکے۔ اللہ کو بھی عام دنیوی بادشاہوں پر قیاس کر کے مختلف عقائد اور تصورات گھڑ لیے گئے جیسے:

  - اللہ کے بھی شہزادے اور شہزادیاں ہیں جو اِس قدر لاڈلے ہیں کہ جن کی ہر خواہش اللہ پوری کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کے بیٹے یعنی شہزادے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یعنی شہزادیاں قرار دے دیا گیا۔
  - اللہ کے بھی کچھ نائبینِ سلطنت ہیں جن کی وجہ سے اِس کا اقتدار قائم ہے لہٰذا کوئی آگ کا دیوتا ہے اور کوئی پانی کا، کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی سورج کا دیوتا۔
  - اللہ کے بھی کچھ خاص مصاحب اور مقربینِ بارگاہ ہیں جن کی بات وہ نہیں ٹال سکتا۔
  - قرآنِ حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت اور سورۂ اخلاص میں مندرجہ بالا باطل تصورات کی نفی کی گئی ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾ (بنی اسرائیل 17:111)

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے ساری تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کسی کمزوری کی وجہ سے اُس کا کوئی مددگار ہے اور اُسے اس طرح بڑا کیجیے (یعنی اُس کی بڑائی نافذ کیجیے) جیسا کہ اُسے بڑا کرنے کا حق ہے"۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴿۱﴾ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿۴﴾ (سورۃ الاخلاص 112)

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے"۔

- شرک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسانوں کی اکثریت نے اللہ کے بجائے دولت، شہرت، اقتدار، قوم یا وطن کو مطلوب بنالیا۔ یہ شرک بھی اللہ کی معرفت کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اگر اللہ کے لطف و کرم اوراس کی رضا جوئی کے حصول کی اہمیت کسی درجہ میں بھی پیشِ نظر ہوتی تو انسان کم تر اور ناپائیدار مطلوب اختیار نہ کرتا۔

نصب العین کے حوالے سے اہم نکات:

- صوفیاء کے نزدیک جنت کا حصول یا جہنم سے نجات بھی نصب العین نہیں ہونا چاہیے بلکہ نصب العین صرف اور صرف رضائے الٰہی کی طلب ہونا چاہیے۔
- ایک دینی جماعت کا نصب العین غلبۂ دین نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔ اگر غلبۂ دین نصب العین بن گیا تو پھر ممکن ہے کہ اِس کے لیے ایسے طریقے اختیار کر لیے جائیں جو عوام میں تو مقبول ہوں لیکن اللہ کو ناپسند ہوں۔
- نصب العین کے حصول کے لیے بعض جزوی مقاصد اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اِس حوالے سے احتیاط کی ضرورت ہے کہ کہیں کوئی ایسا مقصد ہی نصب العین نہ بن جائے۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اقامتِ دین کی جدوجہد ضروری اور اِس کے لیے جماعت لازم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جماعتی عصبیت کی وجہ سے جماعت ہی نصب العین بن جائے۔ نظر رکھی جائے کہ جماعت کی ترجیح اقامتِ دین کی منزل ہی ہے اور اِس کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جا رہا جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو۔

آیت 75:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ ... اللہ چُن لیتا ہے ... مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ... فرشتوں اور انسانوں میں رسول ... اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿ۚ۷۵﴾ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

- اصطفٰی کے معنی ہیں چن لینا (to choose)۔ اللہ رسولوں کو چن لیتا ہے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سعادت محنت سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ رسولوں کو چن کر نوعِ انسانی کی طرف بھیجنے کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر انسانوں پر حجت قائم کر دی جائے تاکہ اُن کے پاس روزِ قیامت بے عملی کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا (النساء 4: 165)

"(سب) رسولوں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور خبر دار کرنے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے"۔

- آیت کے دوسرے حصّے میں توحید کا یہ پہلو بیان ہوا کہ اللہ سمیع اور بصیر ہے یعنی وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اِس کے برعکس انسانوں کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی بات سننے کا تحمل کر سکیں یا اللہ کو دیکھ سکیں:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ (الشوریٰ 42: 51)

"اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اِس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی کرے، بیشک وہ عالی رتبہ اور حکمت والا ہے"۔

لہٰذا انسانوں تک اپنی ہدایت پہنچانے کے لیے اللہ نے سلسلۂ رسالت جاری فرمایا جو دو کڑیوں پر مشتمل ہے یعنی "رسولِ ملک" اور "رسولِ بشر"۔ فرشتے اللہ کی قربت کے حامل نورانی مخلوق ہیں جو اللہ سے وحی لے کر انسانوں میں سے برگزیدہ ہستیوں یعنی رسولوں تک پہنچاتے رہے۔ پھر رسولوں کے ذریعہ وحی کی تعلیمات انسانوں تک پہنچتی رہیں۔

- قرآنِ حکیم نے فرشتوں پر ایمان کا بار بار ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اور رسول سلسلۂ وحی کے دو راوی ہیں۔ بد قسمتی سے قرآن کو عقل کی کسوٹی پر سمجھنے والوں نے فرشتوں کے علیحدہ وجود کا انکار کر دیا حالانکہ فرشتوں پر ایمان کے بغیر وحی کی توجیہہ ممکن ہی نہیں۔ قرآنِ کریم نے سلسلۂ وحی کے دو راویوں (نبی کریم ﷺ اور جبریل امین علیہ السلام) کی ملاقات کا تذکرہ دو مرتبہ کیا ہے:

وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ‌ۚ (التکویر 81: 23)

"بیشک انہوں نے اِس (فرشتے) کو آسمان کے کنارے پر دیکھا ہے"۔

وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ (النجم[53]:13-14)

"اور انہوں نے اِس (فرشتے) کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ اُس انتہائی بیری کے پاس"۔

آیت 76:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ... وہ (اللہ) جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے... وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ اور سب معاملات اُسی کے حضور پیش کیے جائیں گے۔

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں فرمایا گیا کہ اللہ بذاتِ خود جانتا ہے کہ لوگوں کے سامنے کیا ہے اور ان کے پیچھے کیا ہے؟ یعنی کیا اعمال وہ آگے بھیج رہے ہیں اور اپنے اعمال کے کون سے اثرات، وہ پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟ یا اُن کی ترجیحات میں آخرت کی تیاری مقدم ہے یا مؤخر؟ آیت کے دوسرے حصے میں پھر توحید کا بیان ہے۔ روزِ قیامت تمام انسان اور اُن کے اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جائیں گے اور اُس روز فیصلہ کن اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہو گا۔ سورۃ الانفطار[82] آیت 19 میں فرمایا گیا:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَ الْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

"جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اُس روز صرف اللہ ہی کا ہو گا"۔

آیت 77:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ... اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو... ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا ... رکوع کرو اور سجدہ کرو ... وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ... اور اپنے رب کی عبادت کرو ... وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ ... اور بھلائی کے کام کرو... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

- آیت 77 اور 78 میں بڑی جامعیت اور حکیمانہ تدریج کے ساتھ اہلِ ایمان کو عمل کی دعوت دی گئی ہے۔ سورۃ العصر[103] میں بیان شدہ شرائطِ نجات یہاں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایمان کا تذکرہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کے خطاب میں ہے۔ عمل صالح کی وضاحت "رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو" کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے لیے جہاد کی اصطلاح ہے۔ سورۃ العصر میں منفی اسلوب میں خسارے سے بچنے کا ذکر تھا جبکہ یہاں مثبت انداز میں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں کامیابی کی نوید ہے۔
- آیت 77 میں دین کے تین عملی تقاضے بیان کیے گئے ہیں:

- ارکانِ اسلام کی ادائیگی
- عبادتِ رب
- افعالِ خیر

1. ارکانِ اسلام کی ادائیگی:

اِس آیت میں "رکوع کرو اور سجدہ کرو" سے مراد ہے نماز ادا کرو۔ قرآنِ حکیم میں اکثر ارکانِ نماز کا ذکر کر کے نماز مراد لی جاتی ہے:

قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ (المزمل 73 :2)

"رات کو قیام کیا کیجیے مگر تھوڑی رات"

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ (الدھر 76 :26)

"اور رات میں اُس کے حضور سجدہ کیجیے اور طویل رات میں اُس کی تسبیح کیجیے"۔

پھر نماز تمام ارکانِ اسلام کی نمائندہ ہے۔ گویا نماز سے مراد ہے کہ تمام ارکانِ اسلام ادا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے۔

2. عبادتِ رب:

قرآنِ حکیم میں نوعِ انسانی کو سب سے پہلی دعوت عبادتِ رب کی دی گئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرة 2 :21)

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ سکو (عذاب سے)"۔

عبادتِ رب کو انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد قرار دیا گیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات 51 :56)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں بنایا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

عبادتِ رب سے مراد ہے زندگی کے ہر گوشے میں دلی آمادگی کے ساتھ اپنے رب کی کلّی اطاعت کرنا۔ رب سے مراد ہے اللہ یعنی وہ مالک جو ہماری تمام ضروریات بھی پوری فرماتا ہے اور تمام خطرات سے ہماری حفاظت بھی فرماتا ہے۔ اِسی لیے سورۃ القریش 106 آیات 3-4 میں فرمایا گیا:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

"لوگوں کو چاہیے کہ عبادت کریں اِس گھر کے رب کی جس نے اُن کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا"۔

اللہ کو اپنی جزوی اطاعت قبول نہیں اور اِس روش پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں شدید عذاب کی وعید ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ 2:85)

"کیا تم کتابِ (الٰہی) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کر دیتے ہو، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سے غافل نہیں ہے"۔

ارکانِ اسلام عبادات ہیں جو انسان کو پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تیار کرتے ہیں اور اِس عبادت میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ نسیان کا علاج نماز ہے، نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا ذریعہ روزہ ہے، مال کی محبت کی گرفت کم کرنے کے لیے زکوٰۃ ہے اور اِن تمام مقاصد کو پورا کرنے والا رکنِ اسلام حج ہے۔

3. افعالِ خیر:

- ارکانِ اسلام کی ادائیگی اور عبادتِ رب کا تعلق بنیادی طور پر حقوق اللہ سے ہے۔ اب

حقوق العباد کا تقاضا بیان کیا جارہا ہے کہ انسانیت کی خدمت کے لیے بھلائی کے کام کرو۔ قرآنِ کریم نے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلو) کے الفاظ کے ذریعہ نیکیوں کے ایک وسیع میدان کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرۃ 2: 148)

"اور ہر ایک کے لیے ایک سمت (مقصدِ حیات) ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلو"۔

حدیثِ مبارکہ ہے:

خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ [1]

"لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے"۔

- خیر اور بھلائی کے کاموں کے دو درجے ہیں:

i. دنیوی خدمتِ خلق یعنی بھوکوں کو کھانا کھلانا، ضرورت مندوں کا تن ڈھانپنا، بیماروں کی عیادت کرنا اور اُن کے لیے دوا کا انتظام کرنا، لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا وغیرہ۔ دنیا میں اعلیٰ ترین خدمتِ خلق عادلانہ نظام کا قیام ہے۔

ii. اُخروی خدمتِ خلق یعنی لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے اور اُن کی عاقبت سنوارنے کے لیے اُنہیں نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں خدمتِ خلق کے یہ دونوں پہلو بتمام و کمال دکھائی دیتے ہیں۔ وحی کے آغاز سے قبل آپ ﷺ یتیموں، غریبوں اور محتاجوں کی خدمت کرنے میں پیش پیش تھے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ آپ ﷺ پر آخرت کی ابدی زندگی کے حوالے سے حقائق منکشف ہوئے تو آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ خلقِ خدا کو آخرت کی ناکامی سے بچانے کی کوشش میں صرف ہوا۔

آخرت کی حقیقت سامنے ہو تو محض دنیوی خدمتِ خلق کا تصور بڑا محدود اور ناقص محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں ہم کسی بھوکے کے پیٹ کی آگ کو تو بجھادیں لیکن

(1) المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین، رقم 5949 عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

وہ غفلت کی وجہ سے پورے کا پورا جہنم کی آگ کا نوالہ بن جائے۔

- آیت کے آخر میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (شاید کہ تم فلاح پاؤ)۔ لَعَلَّ کے معنی شاید کے ہوتے ہیں، لیکن شاہانہ کلام میں یہ لفظ ایک حتمی وعدے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ فلاحِ اُخروی ایسی حقیر شے نہیں کہ محض زبان کے دو بول ادا کرنے سے حاصل ہو جائے۔ اِس کے لیے محنت اور عمل درکار ہے۔ اِس محنت کے حوالے سے تین تقاضے اِس آیت میں بیان ہوئے اور ایک تقاضا اگلی آیت میں سامنے آرہا ہے۔

آیت 78:

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ... اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے ... هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ... اُس نے تمہیں چُن لیا ہے ... وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ... اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں رکھی ... مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ... (یہ دین) راستہ ہے تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کا ... هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ... اُنہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ... مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا ... اِس سے پہلے اور اب بھی ... لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ ... تاکہ (روزِ قیامت) رسول صلی اللہ علیہ وسلم گواہ بن جائیں تم پر ... وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ... اور تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر ... فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ... پس قائم کرو نماز ... وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ... اور دو زکوٰۃ ... وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ... اور چمٹ جاؤ اللہ سے ... هُوَ مَوْلٰىكُمْ ... وہ تمہارا دوست ہے ... فَنِعْمَ الْمَوْلٰى ... پس خوب دوست ہے ... وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ اور خوب مددگار ہے۔

- دین کے عملی تقاضوں کے حوالے سے چوتھا اور آخری تقاضا ہے جہاد فی اللہ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ ایک متفق علیہ (یعنی بخاری اور مسلم کی) روایت کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ سے مراد ہے ایسی کشاکش اور محنت جس کا ہدف ہو اللہ کے دین کی سربلندی (1)۔ پچھلی آیت میں خدمتِ خلق کا ذکر ہوا۔ اِس دنیا میں اعلیٰ ترین خدمتِ خلق ہے اللہ کے دین کی سربلندی یعنی ایک عادلانہ نظام کا قیام۔ ظالمانہ نظام مسلسل مظلوم پیدا کرتا رہتا ہے اور اِس کے تحت سماجی

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ ... عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ

خدمت کے کاموں سے محض چند مظلوموں کی داد رسی ہوتی ہے۔ اسی لیے دنیا میں تمام رسولوں کی مساعی کا اصل مقصد تھا ایک عادلانہ نظام کا قیام۔

- حَقَّ جِهَادِهٖ کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے غور کیجیے انسانی شخصیت کے دو پہلوؤں پر۔ ایک فکری اور دوسرا عملی۔ فکری لحاظ سے اللہ کی معرفت کا معاملہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کے الفاظ میں بیان کیا گیا اور عملی لحاظ سے اللہ کے دین کے لیے محنت اور سعی وجہد کو بیان کیا گیا وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے الفاظ میں۔ اللہ کی جتنی زیادہ معرفت ہو گی انسان اتنا ہی اللہ کے دین کی خدمت کے لیے تن من دھن لگائے گا۔ اللہ کے احسانات وعنایت کا جتنا فہم ہو گا اتنا ہی زیادہ خون اور پسینہ اللہ کی راہ میں بہانے کا جوش وجذبہ ہو گا۔
- اِس آیت میں بڑے تاکیدی انداز میں حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں اِس طرح جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے۔ انسان پر نفس، والدین، اولاد، بیوی، قوم، وطن وغیرہ کا بھی حق ہے اور اللہ کا بھی۔ سوچنا چاہیے کہ محسنِ حقیقی کون ہے اور سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ کتنا فیصد وقت دیگر حقوق کی ادائیگی کے لیے لگ رہا ہے اور کتنا فیصد اللہ کے لیے؟ کیا محض چند کلماتِ خیر کہہ کر، کچھ صدقہ وخیرات دے کر اور ذرا سی بھاگ دوڑ کر کے اللہ کی بیش بہا عنایات کا حق ادا ہو گیا؟
- جہاد کے تاکیدی حکم کے بعد اللہ کے اِس احسان کا تذکرہ ہے کہ دیکھو اُس نے تمہیں لوگوں کی امامت ورہنمائی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ تمہیں اپنے اختیار سے اسلام اور نبی آخر الزماں ﷺ کا امتی ہونے کی سعادت نہیں ملی۔ یہ سراسر اللہ کا فضل ہے۔ اِس فضلِ باری تعالیٰ کے لیے یہاں اِجْتَبٰى کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں منتخب کرنا (To select)۔ انتخاب کسی خاص مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں انتخاب کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے "شہادت علی الناس" یعنی لوگوں پر اپنے قول وعمل کے ذریعے دین کے تقاضوں کی گواہی دے کر حجت قائم کر دینا۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت پر نبوت اور وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن رسالت کا سلسلہ باقی ہے۔ یہ امت اب سلسلۂ رسالت کی تیسری کڑی ہے۔ آخری نبی ﷺ کے امتی ہونے کی وجہ سے، نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچانا اب اِس امت کی ذمہ داری ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ 2 : 143)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں"۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے یہ ذمہ داری امت کے حوالے کی اور فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (1)

"پہنچادیں حاضرین ان تک جو یہاں نہیں ہیں"۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

- وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ کے الفاظ میں ایک اور احسان کو یوں بیان کیا گیا کہ اللہ نے تمہیں ایسا دین عطا کیا جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ رہبانیت کی طرح کوئی غیر فطری پابندیاں نہیں بلکہ فطری تقاضوں کی تسکین کی جائز صورت موجود ہے۔ اِس دین میں نفس کو کچلنے والی ریاضتیں نہیں۔ نفسانی تقاضوں کو کچلنے کے بجائے اِنہیں انسانی معاشرے کی بھلائی کے لیے صحیح رُخ پر ڈھالا (channelize) گیا ہے۔ اِس دین میں بدعات ورسومات کا لمبا چوڑا طومار نہیں بلکہ خوشی وغمی کے مواقع کے حوالے سے انتہائی سہل ہدایات دی گئی ہیں۔
- مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ کے الفاظ سے یہ احساس پیدا کیا گیا کہ دین کے تقاضوں کی ادائیگی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان کی سیرت ایک ایسی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے جس کا مقصد تھا دینی تقاضوں کی ادائیگی اور اللہ کی خوشنودی کا حصول۔ وہ تم میں سے بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کے حقیقی والد اور بقیہ نوعِ انسانی کے روحانی والد ہیں۔ آج بھی دنیا کی اکثریت اُن سے اپنی نسبت قائم کرتی ہے۔ اُنہوں نے تمہارے لیے "مسلم" نام تجویز کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی کہ:

(1) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى، عن ابنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرۃ[2] : 128)

"اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولادوں میں سے اپنی فرمانبردار امت پیدا فرما"۔

لہٰذا اب تم واقعی **مسلم** یعنی فرمانبردار بن کر دکھاؤ۔ اِس آیت میں "ھُوَ" کی ضمیر اللہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا یا اِس نام کی توثیق کر دی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجویز کیا تھا۔ اِس کتاب یعنی قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے۔ ایک داعیٔ حق کو اپنا تعارف بطور مسلم ہی کرانا چاہیے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(حٰمٓ السجدۃ[41] : 33)

"اور اِس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔

- اِس آیت میں ایک اہم اصطلاح "شہادت علی الناس" وارد ہوئی ہے۔ شہادت کا لفظ بنا ہے شَهِدَ يَشْهَدُ سے جس کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونا اور اصطلاحی معنی ہیں:

1. **مددگار ہونا:** سورۃ البقرۃ[2] آیت 23 میں شہداء اِسی معنی میں آیا ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"اور اگر تم شک میں ہو اُس (کتاب) کے حوالے سے جو ہم نے اپنے بندے ﷺ پر نازل فرمائی ہے تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو"۔

2. **گواہی دینا:** ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ

(آلِ عمران[3] :18)

"گواہی دیتا ہے اللہ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم رکھنے والے (اللہ) قائم کرنے والا ہے عدل کا"۔

گواہی جب بھی دی جائے گی تو کسی فریق کے حق میں ہوگی اور کسی کے خلاف۔ لفظ شہادت کے بعد جس اسم کے ساتھ حرفِ جر "ل" آئے، گواہی اُس کے حق میں ہوگی اور جس اسم کے ساتھ "علیٰ" آئے، گواہی اُس کے خلاف ہوگی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ (النسآء[4] : 135)

"اے ایمان والو! کھڑے ہو جاؤ عدل کے علم بردار بن کر گواہ ہوتے ہوئے اللہ کے حق میں، خواہ وہ تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"۔

- "شہادت علی الناس" کا مفہوم ہے لوگوں کے خلاف گواہی دینا یعنی قول و عمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی کا حق ادا کر کے نوعِ انسانی پر حجت تمام کرنا تاکہ وہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز نہ پیش کر سکیں۔ اِس اتمامِ حجت کے لیے ضروری ہے کہ دین کو قائم و نافذ کیا جائے تاکہ نوعِ انسانی پر اس کا قابلِ عمل ہونا ثابت ہو اور باطل نظام کا جبر کسی کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اسی لیے نظامِ عدل کے قیام کی جدوجہد کو اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد قرار دیا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید[57] : 25)

"ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل) تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں"۔

تمام جلیل القدر رسولوں کو نظامِ عدل کے قیام کے لیے جدوجہد کی تلقین کی گئی:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشورٰی[42] : 13)

"(اے مسلمانو!) اُس (اللہ) نے تمہارے لیے مقرر کی ہے دین کے بارے میں وہی (ذمہ داری) جس کی وصیت کی تھی اس نے نوح علیہ السلام کو اور جو وحی کیا ہم نے (اے نبی ﷺ)

آپ کی طرف اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو کہ اِس دین کو قائم کرو اور اِس کے حصے بخرے نہ کرو"۔

"شہادت علی الناس" کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے اللہ نے کئی رسولوں کو بھیجا۔ روزِ قیامت ابتداءً اللہ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا انہوں نے لوگوں تک دعوتِ حق پہنچادی؟ پھر لوگوں سے باز پُرس ہو گی کہ اُن تک حق پہنچا کہ نہیں اور اگر پہنچا تو انہوں نے عمل کیا کہ نہیں؟

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف[7]: 6)

"تو ہم ضرور پوچھیں گے اُن سے بھی جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے بھی"۔

رسول امت کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے دعوتِ حق امتوں تک پہنچادی تھی اور اب عمل کی ذمہ دار امتیں خود ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی ہی گواہی اپنی امت کے بارے میں دینی ہو گی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء[4]: 41)

"پس اُس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اس اِمت پر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر لائیں گے"۔

اِسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر بڑے اہتمام سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پیغام پہنچادینے کا اقرار لیا اور اِس پر اللہ کو گواہ بنایا۔

"شہادت علی الناس" کی ذمہ داری ختمِ نبوت کے بعد اب امت کے کاندھوں پر ہے۔ ہمیں یہ ذمہ داری اِسی طرح سے ادا کرنی ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے لیے دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا، اپنے ذاتی کردار کی اعلیٰ مثال پیش فرمائی اور ایک کٹھن جدوجہد کے ذریعہ بالفعل دینِ حق کو غالب کر کے نوعِ انسانی پر حجت قائم کر دی۔ اِس دوران ہر قسم کا استہزاء اور مصائب برداشت کیے، تین برس تک شعبِ ابی طالب میں قید رہے، طائف کے سخت ترین دن کا سامنا کیا، غارِ ثور میں پناہ لی، اُحد کے دامن میں مجروح ہوئے، اپنے قریب

ترین اعزاء اور جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، خندق کی کھدائی میں پیٹ پر پتھر باندھے، حدیبیہ میں مشرکین کی ہٹ دھرمی پر صبر کیا اور پھر کہیں جا کر دینِ حق غالب ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم پر اتمامِ حجت فرما کر سرخرو ہو گئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول و عمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ "شہادت علی الناس" کا فریضہ ادا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم بھی روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے سیرت و کردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ اِسی کٹھن ذمہ داری کے احساس کا بارِ گراں تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ اور مکہ سے نکل کر دنیا کے بڑے حصہ میں پھیل گئے اور دینِ حق کے پیغام کو مختصر سے عرصے میں دور دور تک پہنچا دیا۔

- آخر میں حکم دیا گیا کہ اب اٹھو اور عمل کا آغاز کرو۔ پہلا عملی تقاضا ارکانِ اسلام کی ادائیگی ہے۔ ارکانِ اسلام میں یہاں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بھی آ گیا۔ گویا پچھلی آیت میں بھی نماز سے مراد تمام ارکانِ اسلام تھے۔ بقیہ تقاضوں کی ادائیگی کے لیے فرمایا "اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ"۔ اللہ سے چمٹنے سے مراد ہے اللہ کی رسی سے چمٹنا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران[3] : 103)

"اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ گروہ نہ ہو جاؤ"۔

اللہ کی رسّی سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ جامع ترمذی میں اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ (۱)

"قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے اور حکمت بھرا ذکر ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے"۔

گویا جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت علی الناس کے فرائض کی ادائیگی کے لیے مرکز و محور قرآنِ حکیم ہے۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ، باب ما جاء فی فضل القرآن، و سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرء القرآن... عن علی رضی اللہ عنہ

- هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ کے الفاظ میں بڑا appealing یعنی حوصلہ افزائی کا انداز ہے۔ دین کے تقاضوں کی ادائیگی بلا شبہ ایک مشکل کام ہے لیکن اِس راہ میں اہلِ ایمان کا پشت پناہ، ساتھی اور مددگار اللہ ہے۔ جسے اللہ کی مدد میسر آجائے اِسے تو سب سے بڑا سہارا مل گیا:

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

سورۃ آلِ عمران[3] آیت 160 میں فرمایا گیا:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں"۔

اللہ ہمارے دِلوں کو نورِ ایمان سے منور فرمائے اور ہمیں تمام دینی تقاضے خلوص اور استقامت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

درسِ دوم:

سورۃ التوبہ 9 آیت 24

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ دوم سورۃ التوبۃ 9 کی ایک طویل آیت یعنی آیت 24 پر مشتمل ہے۔

2. سورۃ التوبۃ 9 کی یہ آیت اُن آیات (7 تا 24) میں شامل ہے جو 8ھ میں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب 8ھ میں قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ مکہ کی طرف لشکر روانہ کرنے کی تیاری فرمانے لگے۔ اہلِ مکہ کے ساتھ جنگ، مہاجرین کے لیے بڑی آزمائش تھی۔ اِس موقع پر انہیں اہلِ مکہ میں شامل اپنے رشتہ داروں کے خلاف لشکر کشی کرنی تھی۔ بعض لوگوں نے رشتہ داری کے تعلق کو اہمیت دیتے ہوئے جنگ سے گریز کی خواہش کا اظہار کیا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

3. سورۃ التوبۃ 9 کی آیت 24 میں انتہائی سادہ الفاظ اور دو اور دو چار کے انداز میں اِس حقیقت کی یاد دہانی کرائی گئی کہ ہمیں ہر حال میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کے دین کے لیے محنت کی محبت کو تمام دنیوی محبتوں پر ترجیح دینی چاہیے۔ گویا یہ آیت قرآنِ حکیم کی اِس شان کی واضح مثال ہے کہ:

وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾ (القمر 54: 17، 22، 32، 40)

"ہم نے قرآن کو یاد دہانی کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو اِس سے یاد دہانی حاصل کرے"۔

آیت پر غور و فکر

آیت کے ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا:

قُلۡ ... کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ)... اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ ... اگر تمہارے باپ دادا ... وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ ... اور تمہارے بیٹے... وَ اِخۡوَانُکُمۡ ... اور تمہارے بھائی... وَ اَزۡوَاجُکُمۡ ... اور تمہاری بیویاں... وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ ... اور تمہارے رشتہ دار... وَ اَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا ... اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں... وَ تِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا ... اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو... وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ ... اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔

- آیت کے اِس حصہ میں جن محبوبات و مرغوبات کی فہرست گنائی گئی ہے، اُن میں نہایت لطیف نفسیاتی ترتیب ہے۔ پہلے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور خاندان کو لیا جن کی محبت یا عصبیت آدمی کے لیے حق کی راہ میں حجاب اور آزمائش بنتی ہے۔ پھر اموال، کاروبار اور مکانات کا ذکر کیا ہے جو مذکورہ بالا متعلقین ہی کے تعلق سے مطلوب و مرغوب ہوتے ہیں۔ اِن متعلقین کی ناراضگی کے ڈر سے یا اِنہیں سہولیات کی فراہمی کے لیے انسان حق سے اعراض کرتا ہے۔ انسان اسبابِ دنیوی کے حصول کے لیے خود کو کھپاتا ہے لیکن اِن سے اکثر و بیشتر فائدہ متعلقین ہی اٹھاتے ہیں۔ یہ اسبابِ دنیا انسان کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں اگر ان کے ذریعہ انسان متعلقین کی دنیا سنوار رہا ہو لیکن دین کے تقاضوں اور آخرت کی تیاری سے غفلت برت رہا ہو۔ روزِ قیامت یہ متعلقین انسان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے قرآنِ حکیم میں کئی بار بیان کیا گیا:

لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (الممتحنۃ 60: 3)

"تمہارے کام نہ آئیں گے تمہارے رشتہ دار اور اولاد روزِ قیامت"۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ وَ اخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَیۡـًٔا (لقمان 31: 33)

"لوگو! اپنے رب کی نافرمانی سے بچو اور اُس دن سے ڈرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا"۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝ (عبس 80: 34-37)

"اُس روز انسان بھاگے گا اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے۔ ہر انسان کو اُس روز ایسی فکر لاحق ہو گی جو اُسے دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی"۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ۝ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ۝ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ ۝ (المعارج 70: 11-14)

"مجرم چاہے گا اس روز کہ فدیہ میں دے دے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹے، بیوی، بھائی اور اُس پورے خاندان کو جس نے اُسے پناہ دی تھی اور زمین میں تمام بسنے والوں کو پھر اپنے آپ کو چھڑا لے"۔

- اموال کے ساتھ "اقْتَرَفْتُمُوْهَا" کی قید ہے۔ "اِقْتَرَفَ" کے معنی اکتساب یعنی کمانے کے ہیں۔ جس مال کو آدمی نے خود کمایا اور بڑھایا ہو، وہ اُس کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ انسان کے مال کی بھی اصل حقیقت کیا ہے اُس کی وضاحت ایک حدیث میں اِس طرح بیان ہوئی ہے:

یَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِیْ مَالِیْ وَهَلْ لَكَ یَا ابْنَ اٰدَمَ مِنْ مَالِكَ اِلاَّ مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَیْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَیْتَ[1]

"انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال حالانکہ اے انسان! تیرا مال (ایک تو وہ ہے) جو تو نے کھا کر ختم کر دیا، یا (دوسرا) پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا (تیسرا) صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا"۔

- اِسی طرح "تجارت" کے ساتھ "تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا" کی قید اِس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ کامیاب چلتی ہوئی تجارت ہے۔ کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہی ہے جس کے متعلق تاجر کو ہر وقت کساد بازاری کا اندیشہ لاحق رہتا ہے اور اِس خطرے سے بچنے کے لیے وہ سارے

(1) صحیح مسلم، کتاب الزُّھْدِ وَالرَّقَائِقِ، باب، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الشِّخِّيرِ رضی اللہ عنہ

جتن کرتا ہے۔ پھر وہ تجارت ہی اُس کی معبود بن جاتی ہے جس کی خاطر وہ حلال و حرام کی تمیز کا لحاظ نہیں رکھتا۔ تجارت کو ایک خاص سطح پر رکھنے یا اُس کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے سودی قرضے لیے جاتے ہیں اور یا دیگر غیر شرعی کام کیے جاتے ہیں۔

- گھروں کے ساتھ "تَرْضَوْنَهَآ" کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ گھر کی محبت نے آدمی کو جکڑا ہوا ہے، وہ اُس کی حفاظت و سجاوٹ میں مشغول ہے اور اُس کا آرام و سکون، اُس کے لیے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے رکاوٹ بن گیا ہے۔ گھر بنانے اور اُن میں سہولیات فراہم کرنے کے لیے بھی سودی قرضے لیے جاتے ہیں یا حرام کمائی کے دیگر ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں لیکن گھر کی حقیقت ایک واقعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔ ایک بادشاہ نے شاندار محل بنوایا اور ایک درویش کو اُس محل کے نظارہ کی دعوت دی۔ درویش نے تبصرہ کیا کہ اگر کسی طرح دو باتوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر یہ محل بہت ہی عمدہ ہے۔ پہلی یہ کہ محل کے بارے میں ضمانت مل جائے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسرے یہ کہ بادشاہ سلامت بھی ہمیشہ اِس محل میں رہ سکیں گے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ محل یہیں رہے گا اور بادشاہ سلامت دنیا سے چلے جائیں گے یا بادشاہ سلامت کے سامنے کوئی آفت اِس محل کو برباد کر دے گی۔
- یہ ہیں وہ مرغوباتِ دنیا جو بت بن جاتی ہیں اگر یہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کہ راہ میں ہجرت و جہاد کی محبت پر فائق ہو جائیں۔ بقولِ اقبال رحمہ اللہ:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ

جب تک بندہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اِن میں سے ہر بت کو توڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائے، وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

آیت کے دوسرے حصّہ میں فرمایا گیا:

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ ... (مذکورہ بالا مرغوباتِ دنیا) اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں ... مِّنَ اللّٰهِ ... اللہ سے ... وَ رَسُوْلِهٖ ... اور اُس کے رسول ﷺ سے ... وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ... اور اُس کی راہ میں جہاد سے ... فَتَرَبَّصُوْا ... تو انتظار کرو ... حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ... یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا

فیصلہ (یعنی تمہاری موت)...وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ... اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- کسی چیز کا اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ عزیز و محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف اللہ اور رسول ﷺ کا مطالبہ ہو، دوسری طرف اُس چیز کی محبت کا مطالبہ اور آدمی اللہ اور رسول ﷺ کے مطالبہ کو نظر انداز کرکے دوسری چیز کے مطالبہ کو ترجیح دے دے۔ اگر اس کے برعکس وہ اُس چیز کے مطالبہ پر اللہ اور رسول ﷺ کے مطالبہ کو مقدم رکھے تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے اللہ ورسول ﷺ کی محبت کو ترجیح دی۔
  - رشتہ داروں کی محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ اُن کی ضروریات اور خواہشات پوری کرنے اور اُن کے معیارِ زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کے لیے انسان کولہو کے بیل کی طرح محنت کرتا رہے اور دین کے فرائض کو فراموش کردے یا آمدنی کے حرام ذرائع اختیار کرنا شروع کردے۔
  - کاروبار کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اسے ترقی دینے کے لیے توانائیوں کا اکثر حصہ اسی کی خاطر صرف کردے یا خلافِ شرع اُمور اختیار کرے۔
  - گھر کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اُس کی تعمیر اور سجاوٹ ہی میں اکثر وسائل صرف کردیئے جائیں یا سودی قرضوں کے ذریعہ اُس کی تکمیل کی جائے۔
  - مال کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اس کے حصول کی خاطر دینی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہوئے دن رات ایک کردیا جائے یا حلال وحرام کی تمیز ہی ختم کردی جائے۔
  - اس کے برعکس اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا مطالبہ ہے کہ رشتہ داروں، کاروبار، گھر کے لیے جائز ذرائع سے وسائل فراہم کیے جائیں اور دینی تقاضوں کی ادائیگی کی جدوجہد سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے۔

اب ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس کی محبت کو فوقیت دے رہے اور کس کی محبت کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔

یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روز مرّہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کی کیفیت کو جانچ سکتا ہے۔ ہمیں ہر صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو مقدم رکھنا چاہیے۔ یہ محبت ایمانِ حقیقی کی علامت ہے اور اِس کے بغیر کسی کے ایمان کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

اللہ کی محبت:

- انسان میں محبت کی تین سطحیں ہیں جن میں سب سے بلند ہے اللہ سے محبت۔ محبت کی تین سطحیں حسبِ ذیل ہیں:

1. **طبعی یا جبلی محبت:** ہر انسان کے لیے بیوی، اولاد اور مال و اسباب کی محبت مرغوب کر دی گئی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آلِ عمران[3]:14)

"مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت یعنی عورتوں، بیٹوں، سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ذخیروں، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتیوں کی محبت۔ (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت عمدہ ٹھکانہ ہے"۔

دنیا میں تمدن کا آگے بڑھنا اور تمام کاروباری گہما گہمی اِسی جبلّی محبت کی وجہ سے ہے۔

2. **فطری محبت:** اگر انسان کی فطرت سلامت ہے تو انسان جس کو بھی اپنا محسن سمجھتا ہے، اُس سے محبت کرتا ہے۔ والدین کی محبت، مظاہرِ قدرت کی محبت و پرستش اور محسنِ حقیقی یعنی اللہ سے محبت اِسی وجہ سے ہوتی ہے۔

3. **روحانی محبت:** انسان کا وجود جسم اور روح کا مرکب ہے۔ روح کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ سورۃ السجدۃ[32] آیت 9 میں فرمایا گیا:

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

"پھر اُس (اللہ) نے اِس (انسان) کو درست کیا اور اُس میں اپنی روح میں سے پھونکا"۔

بقولِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

ہے ذوقِ تجلی بھی اِسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَى أَصْلِهِ (ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے مصداق روح میں اللہ کی طرف زور دار میلان اور اس کی محبت کی شدید پیاس ہے۔ اگر انسان کی اللہ تک رسائی نہ ہو تو وہ اِس پیاس کی تسکین کے لیے کسی انسان، قوم، وطن یا نظریہ کو محبوب و مطلوب بنالیتا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ
(البقرۃ 2: 165)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور اِن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے"۔

اس کے برعکس اہل ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ 2:165)

"اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں"۔

- اللہ کے محبوب بندوں کی صفات میں سے اوّلین یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ (المائدۃ 5: 54)

"اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اُس سے محبت کریں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے"۔

اگر ہم میں یہ صفات موجود ہیں تو ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں ورنہ اللہ ہمیں دین اسلام کی علمبرداری سے محروم کر کے دین کی خدمت کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دے دے گا جو مذکورہ بالا صفات کے حامل ہوں گے۔

- اللہ کی محبت کا بڑا گہرا تعلق ہے ہمارے مقصدِ تخلیق سے۔ ہمارا مقصدِ تخلیق ہے اللہ کی عبادت۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات 51: 56)

"اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لیے"۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اللہ کی عبادت سے مراد ہے زندگی کے ہر گوشے میں محبت اور ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کی کلّی اطاعت کرنا۔ بقول حافظ ابن قیم رحمہ اللہ:

اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَيْنِ غَايَةَ الْحُبِّ بِغَايَةِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ (۱)

"عبادت دو چیزوں کو جمع کرتی ہے یعنی انتہائی درجے کی محبت اور اس کے ساتھ مکمل طور پر عاجزی اختیار کرنا اور خود کو جھکا دینا"۔

عبادت = محبت قلبی + اطاعت کلی

اللہ کی محبت ہی دراصل عبادت کی روح ہے جبکہ اطاعتِ کلّی اس کا جسم ہے۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عبادت کے تین محرکات ہیں:

(۱) مدارج السالکین، جزء اوّل، فصل وسر الخلق والأمر . . .

1. جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے عبادت: یہ عبادت بھی جائز ہے لیکن یہ ایک غلام کی عبادت ہے۔
2. جنت کے شوق میں عبادت: یہ عبادت بھی جائز ہے لیکن یہ ایک تاجر کی عبادت ہے۔
3. اللہ کی محبت کی وجہ سے عبادت: یہ عبادت کا اعلیٰ ترین محرک ہے اور یہی ایک مومن کی عبادت ہے۔ (۱)

- احادیثِ مبارکہ میں اللہ کی محبت کی اہمیت اس طرح بیان ہوئی ہے:

وَعَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ أَعْرَابِيّاً قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَتٰى السَّاعَةُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا أَعْدَدتَّ لَهَا قَالَ حُبُّ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا "قیامت کب آئے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا! "تم نے اس کے لیے کیا عمل تیار کر رکھا ہے؟" اس نے عرض کیا "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت"۔ آپ ﷺ نے فرمایا! "تم اسی کے ساتھ ہو گے (روزِ قیامت) جس سے تم نے محبت کی"۔

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (۳)

"جس نے محبت کی اللہ کے لیے اور دشمنی کی اللہ کے لیے اور دیا اللہ کے لیے اور روکا اللہ کے لیے، اس نے ایمان کی تکمیل کرلی"۔

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ نَاسًا مَا هُمْ اَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ بِمَنْزِلَتِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اَلَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اللهَ وَيُحَبِّبُوْنَهٗ اِلٰى خَلْقِهٖ، يَاْمُرُوْنَهُمْ

(۱) نہج البلاغہ حکمت، ۲۳۰، تحف العقول ص ۲۴۶ عن الحسین، تاریخ دمشق حالات امام زین العابدین ص ۱۱۱/ ۱۳۱، حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۳، روایت ابراهیم علوی از امام صادق

(۲) صحیح البخاری، کتاب الْمَنَاقِبِ، باب مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه عن أبي امامة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، سنن الترمذی، کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ

بِطَاعَةِ اللهِ، فَإِذَا أَطَاعُوهُ أَحَبَّهُمْ(۱)

"بلا شبہ میں جانتا ہوں ایسے لوگوں کو جو نہ انبیاء ہوں گے اور نہ ہی شہداء لیکن روزِ قیامت اُن کا مقام دیکھ کر انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، خلقِ خدا میں اللہ کی محبت پیدا کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ اُس (اللہ) کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے"۔

دعائے مسنونہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَأَهْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ(۲)

"اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کا جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ اپنی محبت مجھے محبوب کر دے میرے نفس اور میرے گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ"۔

رسول ﷺ کی محبت:

- رسول اکرم ﷺ کی محبت دراصل اللہ سے محبت کا لازمی نتیجہ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ (آلِ عمران 3:31)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا"۔

اتّباع سے مراد ہے احکامات کا انتظار کیے بغیر دلی محبت کے ساتھ پیروی کرنا یعنی زندگی کے ہر معاملے میں نبی اکرم ﷺ کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا اور تمام امور حتیٰ کہ معمولاتِ زندگی میں بھی آپ ﷺ کی ہر ہر ادا کی پیروی کرنا۔

اتّباع = اطاعت + محبت

(۱) کنز العمال، جزء 3، 5566

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِیْ عَقْدِ التَّسْبِيْحِ بِالْيَدِ عن أبی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ

اتباعِ رسول ﷺ کا اہم ترین میدان دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے لیے مال و جان سے جہاد کرنا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے لیے جدوجہد آپ ﷺ کی مسلسل اور متواتر سنت ہے۔

- رسولِ اکرم ﷺ سے محبت کسی شخص کے مومن ہونے کی دلیل ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب 33 : 6)

"نبی ﷺ مومنوں کے لیے اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج اُن کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہیں"۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (۱)

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے محبوب نہ ہو جاؤں اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور یہاں تک کہ تمام انسانوں سے"۔

- سلامتیٔ فطرت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے کیوں کہ آپ ﷺ نوعِ انسانی کے عظیم محسن ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی وساطت سے ہمیں قرآنِ حکیم اور دینِ اسلام جیسی نعمتیں ملی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (۲)

"جس شخص کے بارے میں اللہ خیر کا فیصلہ فرماتا ہے اِسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے"۔

سب سے بڑی دولت جو آپ ﷺ کے ذریعہ حاصل ہوئی وہ ہے ہدایت۔ اگر ہدایت ہے تو دنیا کی ہر نعمت واقعی نعمت ہے ورنہ یہی نعمتیں روزِ قیامت جواب دہی کے حوالے سے زحمتیں بن جائیں گی۔

- آپ ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ:

1. آپ ﷺ کی سنت سے محبت کی جائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب حُبُّ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِیْمَانِ، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وُجُوبِ مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ... عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْعِلْمِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، باب إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا فَقَّهَهُ فِی الدِّیْنِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

رَحْمَةُ اللهِ عَلٰى خُلَفَائِي قَالُوْا وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ سُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ (۱)

"اللہ کی رحمت ہو میرے خلفاء پر۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری سنت سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کو اِس کی تعلیم دیتے ہیں"۔

مَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ (۲)

"جس نے میری سنت کو زندہ کیا اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا"۔

2. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کی جائے کیوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ، وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللهَ، وَمَنْ اٰذَى اللهَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهُ (۳)

"تو جو کوئی اُن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے محبت کرے گا وہ محبت کرے گا میری محبت کی وجہ سے اور جو اُن سے دشمنی کرے گا وہ دشمنی کرے گا مجھ سے دشمنی کی وجہ سے۔ جس نے اُن کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو ناراض کیا تو اندیشہ ہے کہ اللہ اُس کی گرفت کرے گا"۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کی محبت:

- منکرات اور اللہ کے احکامات سے بغاوت کے خلاف جہاد کرنا اللہ سے محبت اور غیرت و حمیت کا تقاضا ہے۔ جس طرح ایک غیرت مند انسان کا اپنے ماں باپ کے خلاف کوئی نازیبا بات سن کر

---

(۱) کنز العمال، جزء 10، 29382

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْعِلْمِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ

(۳) سنن الترمذی، کتاب الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ، باب فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مسند احمد، کتاب مُسْنَدِ الْبَصْرِيِّيْنَ، باب حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ

خون کھول اُٹھتا ہے اِسی طرح اللہ کی نافرمانی دیکھ کر بھی اُس کے تن بدن میں آگ لگ جانی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر انسان کا انجام اُس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا ذکر حدیث میں ان الفاظ میں آیا ہے:

أَوْحَى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنِ اقْلِبْ مَدِينَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا قَالَ فَقَالَ يَا رَبِّ إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِمْ فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ [1]

"وحی کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف کہ فلاں فلاں شہروں کو اُن کے باشندوں سمیت اُلٹ دو۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! ان بسنے والوں میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے دوران (یعنی ایک لمحہ) بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس شہر کو الٹ دو اُن سب لوگوں پر کیوں کہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) اس شخص کے چہرہ کا رنگ ایک گھڑی بھی میری وجہ سے تبدیل (سرخ) نہیں ہوا"۔

- اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے کوشش کرنا اور اس مشن سے محبت کرنا دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا عملی ثبوت بھی ہے۔ انسان کا عمل ظاہر کرتا ہے کہ اُسے اللہ سے کس قدر محبت ہے اور وہ دیگر حقوق کے مقابلے میں اللہ کی عبادت اور اُس کے دین کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے، کتنی محنت کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کا عمل بتاتا ہے کہ نفسانی خواہشات اور معاشرتی رسم رواج کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو وہ کس قدر اہمیت دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں غلبۂ دین کے لیے جدوجہد میں کس قدر مال و جان لگاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ [2]

(۱) شعب الایمان للبیہقی، کتاب التاسع والثلاثون من شعب الإیمان، باب أحادیث فی وجوب الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر، 7333، عن جابر رضی اللہ عنہ

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الإجارۃ، باب النھی عن العینۃ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ

"جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلّت مسلّط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف پلٹ آؤ"۔

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی راہ میں قربانی دینا کس قدر محبوب تھا، اِس کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے:

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی اَھْلِ فَارِسَ یَدْعُوْھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اِلٰی رُسْتَمَ وَمِھْرَانَ وَمَلَاءِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّا نَدْعُوْکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاَعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُّحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَا یُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی [1]

ابی وائل سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہلِ فارس کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے تحریر فرمایا: "اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ تحریر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے رستم، مہران اور فارس کے سرداروں کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اِس کے بعد ہم تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم یہ دعوت قبول نہیں کرتے تو جزیہ دو گے اپنے ہاتھ سے اور چھوٹے بن کر رہو گے (بصورت دیگر) بلاشبہ میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جان دینا اتنا پسند کرتے ہیں جتنا اہلِ فارس، شراب پسند کرتے ہیں۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔

- فَتَرَبَّصُوْا سے مراد ہے انتظار کرو، یعنی اگر تمہارے دل میں مرغوباتِ دنیا کی محبتوں کو ترجیح حاصل ہے تو محض چند عبادات ادا کر کے اور تھوڑا سا صدقہ و خیرات کر کے اللہ کو راضی نہیں کرسکتے۔ اپنی اِس روش سے باز آؤ اور اپنی زندگی کی منصوبہ بندی اور بھاگ دوڑ میں دین کی خدمت کو ترجیح دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ کی طرف سے سزا کے منتظر رہو۔

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، باب 2، رقم 3716

- حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ: یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اللہ کے حکم سے مراد ہے عذاب کی کوئی صورت یا موت۔ برے انسان کی موت بھی بڑی حسرت اور عذاب کی صورت میں واقع ہوتی ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المنافقون[63]:10-11)

"اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ تاکہ میں صدقہ کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے"۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (المؤمنون[23] : 99-100)

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے لوٹادے تاکہ میں اس (مال واسباب) میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے جس کا وہ محض کہنے والا تھا اور اُس کے بعد برزخ ہے اس دن تک کے لیے جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔

- وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: اور اللہ ایسے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ آیت کے اس حصہ میں دو دھمکیاں دی گئی ہیں:

1. مرغوباتِ دنیا کی محبتوں کو ترجیح دینے والے فاسق یعنی اللہ کے باغی ہیں۔ فسق یعنی اللہ کے حکم کو توڑنا ایک شیطانی عمل ہے۔ فسق کا لفظ سورۃ الکھف[18] آیت 50 میں ابلیس کی اُس

نافرمانی کے لیے استعمال ہوا ہے، جب اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا، پس اُس نے توڑ دیا اپنے رب کا حکم"۔

2. ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت کی نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔

چند اہم نکات:

1. سورۃ التوبۃ[9] کی آیت 24 میں ایک رہنمائی دی گئی ہے کہ دوستی اور محبت کا معیار ایمان کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ یہ ہدایت قرآن مجید میں کئی مقامات پر دی گئی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ (المجادلۃ[58] : 22)

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کے ہی لوگ ہوں"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی۔ غزوات کے دوران حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ نے جو مخلص مسلمان تھے ایک موقع پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کر دوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنة[60] : 4)

"تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں (کی روش) میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے کہااپنی قوم سے کہ ہم اعلانِ بیزاری کرتے ہیں تم سے اور اُن معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سواپرستش کرتے ہو (اور) ہم انکار کرتے ہیں تمہارا (یعنی تمہارے عقائد کا) اور پیدا ہو گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت جب تک تم اللہ پر اُس کی توحید کے ساتھ ایمان نہ لے آؤ"۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

(التوبة[9] : 16)

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ (1)

"تین باتوں سے ایمان کی حلاوت محسوس ہوتی ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر شے سے زیادہ محبوب ہونا، کسی سے محبت کرنا اللہ کے لیے اور نفرت کرنا اللہ کے لیے اور کفر میں لوٹنا اسی طرح بُرا محسوس ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا"۔

(1) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإيمان ... عن أنس بن مالك رضي الله عنه

2. اِس آیت میں اللہ نے ہمیں بڑے دوٹوک انداز میں اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ترازو کے ایک پلڑے میں ہمیں مرغوباتِ دنیوی کی محبتیں ڈالنے کی دعوت دی ہے اور دوسرے پلڑے میں اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے راستے میں جہاد کی محبتیں۔ اب ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔ اگر دوسرا پلڑا جھک رہا ہو تو فَهُوَ الْمَطْلُوب۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کریں تاکہ مزید خدمتِ دین کی توفیق حاصل ہو۔ اگر خدانخواستہ پہلا پلڑا بھاری ہو تو ہمیں چاہیے کہ فوراً اپنی اصلاح پر کمربستہ ہو جائیں۔

3. تعلیماتِ اسلام میں حقوق العباد کی ادائیگی کی انتہائی تاکید ہے۔ اِسی طرح حلال و حرام کی تمیز کرتے ہوئے کاروبار کرنے، مال کمانے اور گھر سمیت تمام ضروریاتِ زندگی کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے۔ البتہ ان تمام علائق و اسبابِ دنیا کی محبتیں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کے تابع ہونی چاہئیں۔

حرفِ آخر:

آج ہماری بہت سی ذاتی و اجتماعی خرابیوں، پستیوں اور انتشار کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دنیوی رشتوں کی محبتوں کو دینی محبتوں پر ترجیح دے رکھی ہے، بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

آیئے دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيْبِكَ وَحُبَّ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِكَ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اے اللہ ہمیں اپنے محبت عطا فرما اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرما اور اپنے راستہ میں جہاد کی محبت عطا فرما، جس طرح تو پسند کرے اور تو راضی ہو جائے۔ آمین!

درسِ سوم:

سورۃ الصّف 61

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ
تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٣ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝٤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ
يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ
قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ
يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٦ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٧ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُوْنَ ۝٩

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ چہارم کا درسِ سوم سورۂ صف پر مشتمل ہے۔
2. سورۂ صف مکی۔مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔ ان سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:

- ان میں سے اکثر سورتوں کا زمانۂ نزول مدنی دور کا نصف ثانی ہے۔ اِس دور میں امتِ مسلمہ کی تشکیل ہو چکی تھی اور ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ چکا تھا، لہٰذا اِن سورتوں میں خطاب

صرف مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ضمنی طور پر ہے اور اُن میں سے خصوصاً اہلِ کتاب کا ذکر ہے بطورِ عبرت۔ اہلِ کتاب مسلمانوں سے قبل امت کے منصب پر فائز تھے لیکن اُن میں بعض ایسی اعتقادی اور عملی گمراہیاں آگئیں جن کی وجہ سے اللہ اُن سے ناراض ہو گیا۔ اِن سورتوں میں ہمیں دعوتِ غور و فکر دی جا رہی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ گمراہیاں کن کن راستوں سے آئیں اور پھر ہم اِن گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔

- اِن سورتوں میں ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے جذبۂ عمل میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے جس پر متوجہ کیا جا رہا ہے جیسے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ (الحدید 57 : 8)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان نہیں رکھتے اللہ پر جبکہ رسول ﷺ تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر"۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الحدید 57 :10)

"اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے"۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ (الحدید 57 : 16)

"کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مومنوں کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اُس حق کے لیے جو نازل ہو چکا ہے۔ اور لوگ اُن کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتابیں دی گئی تھیں، پھر اُن پر زمانہ طویل گزر گیا (غفلت میں) تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنۃ 60 :1)

"مومنو! دوست نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو، تم اُن کی طرف محبت کے پیغام بھیجتے ہو جبکہ وہ کفر کر چکے ہیں اُس حق کا جو تمہارے پاس آچکا ہے"۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف[61]: 2-3)

"مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ اللہ اِس بات سے سخت بیزار ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں"۔

آج ہماری اکثریت کے معمولات اُس دور کے منافقین سے بھی زیادہ بگڑ چکے ہیں اور جھنجھوڑنے کے اِس اسلوب کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔

- اِن سورتوں میں اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔
- اِن سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور اِنہیں مسبّحات کہا جاتا ہے۔ سورۃ الحدید[57]۔ سورۃ الحشر[59]۔ سورۃ الصف[61] کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّحَ آیا ہے اور سورۃ الجمعۃ[62]۔ سورۃ التغابن[64] کے آغاز میں مضارع کا صیغہ يُسَبِّحُ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الحشر[59] اِس اعتبار سے منفرد ہے کہ اِس کی پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے اِن میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورۃ التغابن[64]، حصہ سوم میں سورۃ التحریم[66]، حصہ چہارم میں سورۃ الصف[61]، سورۃ الجمعۃ[62]، سورۃ المنافقون[63] اور حصہ ششم میں سورۃ الحدید[57] شامل ہے۔

3. سورۃ الصف[61]، سورۃ الجمعۃ[62] کا جوڑا ہے۔ سورۃ الصف[61] میں سیرت النبی ﷺ کا ایک رُخ بیان ہوا یعنی نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت - غلبہ دینِ حق۔ سورۃ الجمعۃ[62] میں سیرت النبی ﷺ کا دوسرا رُخ بیان ہوا یعنی غلبہ دینِ حق کے لیے نبی اکرم ﷺ کا اَساسی طریقِ کار۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے مقصد کا واضح شعور اور صحیح طریقِ کار کا تعین بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک اہم تحریکی موضوع کی تکمیل کرتی ہیں۔

4. قرآنِ حکیم کی ہر سورت کا ایک خاص مرکزی مضمون ہوتا ہے جو اِس سورت کا عمود کہلاتا ہے۔ سورت کی ہر آیت عمود سے معنوی ربط رکھتی ہے۔ ہر آیت اپنی جگہ اللہ کے علم و حکمت کا خزانہ ہے لیکن جب اسے ایک سلسلۂ کلام کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے اور اس کا ربط مرکزی مضمون سے قائم کیا جاتا ہے تو حکمت و معرفت کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۃ الصف[61] کا عمود ہے "نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت" جو کہ آیت 9 میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت تھا غلبۂ دینِ حق۔ اِس مقصد کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا عنوان ہے "جہاد فی سبیل اللہ"۔ یہی وجہ ہے کہ اِس سورت میں "جہاد فی سبیل اللہ" کا مضمون بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

5. مضامین کے اعتبار سے سورۃ الصف کی آیات کا تجزیہ اِس طرح ہے:

- آیت 9: نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت-غلبۂ دینِ حق (مرکزی آیت)
- آیات 1-4: غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کی دعوت-ترہیب کے انداز میں
- آیات 5-8: تاریخِ بنی اسرائیل کے تین ادوار-غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد سے اعراض کا بیان بطورِ عبرت
- آیات 10-13: غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کی دعوت-ترغیب کے انداز میں
- آیت 14: غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کرنے والوں کے لیے عظیم سعادت اللہ کے مددگار ہونے کا اعزاز

آیات پر غور و فکر

سورۃ الصف کے مضامین پر غور کے لیے سب سے پہلے ہم اِس سورت کی مرکزی آیت یعنی آیت 9 کو سمجھیں گے۔ پھر بقیہ آیات کا مرکزی آیت سے ربط سمجھ کر پوری سورت کا فہم حاصل کریں گے۔

آیت 9:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ... وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو... بِالْهُدٰی... کامل ہدایت کے ساتھ... وَدِیْنِ الْحَقِّ... اور سچے دین کے ساتھ... لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ... تاکہ وہ اس کو غالب کر دیں کل نظامِ زندگی پر... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۠... چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

آیت کی اہمیت:

1. اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد بیان کیا گیا غلبۂ دینِ حق۔ کسی بھی شخصیت کے کارنامۂ حیات کا اندازہ (Assessment) کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی جدوجہد کا مقصد کیا تھا؟ وہ کیا کرنے چلا تھا؟ اُس نے کہاں سے آغاز کیا؟ اور کہاں تک اپنے مقصد کو حاصل کیا؟ اِس اعتبار سے یہ آیت نبی کریم ﷺ کی دنیوی کامیابی کو سمجھنے کے لیے کلید کا درجہ رکھتی ہے۔

2. انسان کہلانے کا حق دار وہی ہے جس کا کوئی نہ کوئی مقصدِ زندگی ہو۔ مقاصد گھٹیا بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ بھی۔ اعلیٰ ترین مقصد تھا جنابِ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا یعنی دین حق کی سربلندی:

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں میں اِسی لیے نمازی

ہمیں بھی اپنی سعی وجہد کے لیے اِسی مقصد کو اہم ترین مقام دینا چاہیے۔

3. یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی اِس شان کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ پر صرف نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ اِس کی تکمیل بھی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ سے قبل رسولوں کا مقصد بھی دعوتِ حق پہنچانا اور دینِ حق کو غالب کرنے کی کوشش کرنا تھا لیکن آپ ﷺ کا فرضِ منصبی نہ صرف دعوتِ حق کا پہنچانا بلکہ دینِ حق کو بالفعل غالب کر کے دکھانا تھا تاکہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت ہو جائے کہ اللہ کا دین قابلِ عمل ہے اور محض کوئی خیالی جنت (Utopia) نہیں ہے۔

4. شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "إِزَالَةُ الْخَفَا عَنْ خِلَافَةِ الْخُلَفَاء" میں اِس آیت کو نبی کریم ﷺ کے مقصدِ بعثت کے تعین کے ضمن میں پورے قرآنِ حکیم کے لیے مرکزی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے، اِس لیے کہ قرآن جس جدوجہد کے دوران رہنمائی کے لیے نازل ہوا اُس کا مقصد اِس آیت میں بیان ہوا۔

5. مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کو بین الاقوامی انقلاب کا عنوان قرار دیا ہے۔

6. اِس آیت کے فہم کے بغیر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی تکمیلی شان کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ہر نبی کی بعثت کی اساسی غرض وغایت دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ ہوتی ہے۔ اِس مرحلہ میں برائی کا جواب اچھائی سے دیا جاتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾

(حٰمٓ السجدۃ 41: 34)

"جواب دو (بدی کا) اُس طور پر جو بہت اچھا ہو۔ تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست"۔

البتہ چونکہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی بعثت کی تکمیلی شان ہے دینِ حق کو غالب کرنا۔ اس مرحلہ میں برائی کا جواب ویسی ہی برائی سے دیا جائے گا:

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ 42: 40)

"اور بُرائی کا بدلہ تو اسی طرح کی بُرائی ہے"۔

جن لوگوں نے بعثتِ نبوی ﷺ کی اساسی اور تکمیلی شان کے فرق کو نہیں سمجھا وہ آپ ﷺ کی سیرت کے فہم کے حوالے سے ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً مغربی مفکرین کو آپ ﷺ کی مکی زندگی تو نبوی نظر آتی ہے لیکن مدنی زندگی میں آپ ﷺ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر انتشارِ ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ 6ھ میں بظاہر دب کر صلح حدیبیہ کرتے ہوئے وہ آپ ﷺ کو نبوی رنگ میں دیکھتے ہیں لیکن 8ھ میں ابوسفیان کی عاجزانہ درخواست کے باوجود آپ ﷺ کی طرف سے صلح کی تجدید نہ کرنا اُنہیں سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ معاملہ واضح ہے۔ آپ ﷺ کا مقصد تھا دینِ حق کو غالب کرنا۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے جس وقت جو طرزِ عمل مفید تھا آپ ﷺ نے اُسی کو اختیار فرمایا۔

7. هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کے لیے قرآنِ حکیم میں تین مرتبہ وارد ہوئے ہیں (التوبۃ:33، الفتح: 28، الصف: 9)۔ اللہ کے لیے الفاظ اور اسالیب کی کمی نہیں، لیکن جب اللہ ایک ہی اسلوب، ایک ہی ترتیب اور ایک جیسی اصطلاحات کے ساتھ کوئی حقیقت بار بار بیان فرمائے تو

اس سے نہ صرف آیت کے مضمون بلکہ اِس کے الفاظ کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔لہٰذا مناسب ہے کہ اِس آیت کے ہر لفظ پر غور کیا جائے۔

آیت 9 پر غوروفکر:

رَسُوْلَهٗ:

اس آیت میں پہلا اہم لفظ ہے "رَسُوْلَهٗ" یعنی اللہ کا رسول۔ رسول تو آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے آئے لیکن رسالت آپ ﷺ کی ذات پر آکر درجۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ آپ ﷺ رسولِ کامل ہیں اِس لیے کہ آپ ﷺ سے قبل، رسول کسی خاص دور کے لیے اور کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے لیکن آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے ادوار کے لیے اور پوری نوعِ انسانی کی طرف ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف[7]: 158)

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

ہر نبی کا کوئی خاص لقب ہے جیسے آدم علیہ السلام کا صفی اللہ، نوح علیہ السلام کا نجی اللہ، ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اللہ، اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبیح اللہ، موسیٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ، عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ لیکن نبی اکرم ﷺ کا لقب ہے رسول اللہ۔سورۃ الفتح[48] آیت 29 میں فرمایا گیا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں"۔

الهُدٰى:

اس سے مراد ہے کامل ہدایت۔ قرآنِ حکیم اپنے لیے بار بار ہدایت کا لفظ استعمال کرتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ٻ فِيْهِ ڔ ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ[2]: 2)

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے"۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ھُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ[2]: 185)

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور اِس میں ہدایت اور حق و باطل میں فرق کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں"۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل[17]: 9)

"یہ قرآن اُس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھی ہے"۔

دراصل قرآن ہی کامل ہدایت ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ فکری بلوغت (maturity) کی منازل طے کرتا کرتا نبی اکرم ﷺ کے دور میں عقل و شعور کی پختگی اور ذہنی ارتقاء (intellectual evolution) کی آخری منزل کو پہنچ گیا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی رائے کے مطابق تمام فلسفۂ حیات 600 ق م سے لے کر 600ء تک کے دور میں پیش کیے گئے۔ جب انسان جو کچھ سوچ سکتا تھا، اُس نے سوچ لیا تو اللہ نے 610ء میں قرآن کا نزول شروع کیا اور اِس کی صورت میں انسان کو نہ صرف مکمل ہدایت نامہ دیا بلکہ اِسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر[15]: 9)

"بے شک ہم ہی نے یہ 'ذکر' اُتارا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

تورات، زبور اور انجیل میں عبوری دور (interim period) کے لیے حسبِ ضرورت ہدایات تھیں۔ اللہ نے ان کتابوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا کیوں کہ ہدایت کا مکمل اور حتمی (Final) ایڈیشن قرآن کی صورت میں آنا باقی تھا۔

دینِ حق:

دین کا لغوی مفہوم ہے 'بدلہ'۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ ہو گا "بدلہ کے دن کا مالک" اِس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے:

1. قانون / ضابطہ: کیوں کہ بدلہ کسی قانون ہی کے تحت طے ہوتا ہے جیسے سورة یوسف[12] آیت 76 میں دین کا لفظ قانون کے معنی میں آیا ہے:

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ

"اُن (یعنی یوسف علیہ السلام) کے لیے ممکن نہ تھا اپنے بھائی کو روکنا (مصر میں) بادشاہ کے قانون کے مطابق"۔

2. **السلام**: کیوں کہ قانون نظام کے تحت بنتا ہے جیسے سورۃ الانفال[8] آیت 39 میں آیا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

"اور اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور مکمل طور پر نظام اللہ ہی کا ہو جائے"۔

سورۃ المؤمن[40] آیت 26 میں فرعون کا اپنی قوم سے خطاب کے دوران قول نقل ہوا:

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ

"مجھے ڈر ہے کہ وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) بدل دے گا تمہارے نظام کو"۔

3. **الطاعت**: کیوں کہ نظام وہی ہے جس کی اطاعت کی جارہی ہو جیسے سورۃ الزمر[39] آیت 3 میں فرمایا:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ

"جان لو اللہ کے لیے ہے خالص اطاعت"۔

- ایسے نظام کو جس میں قانون سازی کا اختیار عوام کے منتخب نمائندوں کو دے کر اُن کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کیا جائے "دینِ جمہور" کہا جاتا ہے۔
- ایسے نظام کو جس میں قانون ساز بادشاہ کو مان کر اس کی اطاعت کی جائے "دین الملک" کہا جاتا ہے۔
- ایسے نظام کو جس میں قانون ساز اللہ کو مان کر اس کے عطا کردہ قوانین کو نافذ کیا جائے "دین اللہ" کہا جائے گا۔

گویا دین سے مراد وہ نظامِ حیات ہے جو جملہ معاملاتِ زندگی یعنی انفرادی و اجتماعی تمام معاملات میں رہنمائی کے لیے قوانین و ضوابط وضع کرے اور اُن کی روشنی میں بدلہ یعنی جزا و سزا کا تعین کرے۔ دین زندگی کے انفرادی گوشوں عقائد، عبادات اور رسومات کے ساتھ ساتھ اجتماعی گوشوں سیاست، معیشت اور معاشرت کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ دینِ حق سے مراد ہے حق کا دین۔ سورۃ الحج[22] آیت 6 میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

"اِس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے"۔

گویا دینِ حق کا مفہوم ہے اللہ کا دین۔ دینِ حق کا ذکر اِس آیت میں قرآن سے علیحدہ ہوا ہے کیوں کہ یہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ کا مجموعہ ہے۔ اِسی حوالہ سے دستورِ پاکستان میں قراردادِ مقاصد کے بہت ہی مناسب الفاظ ہیں:

"کوئی قانون سازی ایسی نہ ہوگی جو قرآن و سنت سے متصادم ہو"

نبی اکرم ﷺ کے دور میں جہاں انسان فکری اعتبار سے پختگی کو پہنچ گیا وہیں اُس نے تمدنی ارتقاء (social evolution) کے عروج کو بھی حاصل کرلیا۔ غار، قبیلہ اور شہری زندگی کے مراحل سے ہوتا ہوا انسان ریاست کی سطح تک پہنچ گیا۔ اب اُسے صرف انفرادی اخلاقی تعلیمات ہی کی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کے بعض نازک معاملات کے لیے عادلانہ رہنمائی درکار تھی۔ مثلاً مرد و عورت، فرد و اجتماعیت اور محنت و سرمایہ کے درمیان متوازن اور عادلانہ حقوق و فرائض کا تعین کیسے کیا جائے۔ تمدنی ارتقاء کی اِس بلند ترین سطح پر اللہ نے اسلام بطورِ دینِ حق عطا فرمایا اور سورۃ الحدید[57] کی آیت 25 میں اسے میزان یعنی عدل کا مظہر قرار دیا۔ یہ نظام مرد اور عورت، فرد اور اجتماعیت اور آجر و اجیر کے حقوق و فرائض کے درمیان کامل توازن اور آزادی و مساوات کے حسین امتزاج کی مثال ہے۔

لِيُظْهِرَهٗ:

اِس کے چار معانی ہو سکتے ہیں:

1. اللہ غالب کر دے دینِ حق کو
2. اللہ غالب کر دے اپنے رسول ﷺ کو
3. رسول ﷺ غالب کر دیں دینِ حق کو
4. رسول ﷺ غالب کر دیں اللہ کو

ترجمہ کسی بھی طرح کیا جائے لیکن مقصود ایک ہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا غلبہ بھی دینِ اسلام کا غلبہ تھا کیوں کہ آپ ﷺ کوئی شخصی یا خاندانی حکومت قائم فرمانے نہیں آئے تھے۔ اسی طرح عالمِ واقعہ میں اللہ کے غلبہ سے مراد اللہ کے نظامِ اطاعت ہی کا غلبہ ہے۔ پھر خواہ یہ منزل اللہ کے ذریعہ سر ہو یا رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ، بات ایک ہی ہے۔ عالمِ واقعہ میں یہ کام رسول اللہ ﷺ نے کرنا تھا اور

عالم حقیقت میں اللہ نے۔ دنیا میں بظاہر انسان کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن فاعل حقیقی اللہ ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

(الانفال[8]: 17)

"تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے نبی ﷺ) جس وقت آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں"۔

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ:

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت تھا دینِ حق یعنی نظامِ عدلِ اجتماعی کو کل کے کل نظامِ زندگی پر اِس طرح غالب کرنا کہ کوئی گوشۂ زندگی اِس سے مستثنیٰ نہ رہے۔ اِسلام ہی دینِ حق ہے اور یہ محدود معنی میں ایک مذہب (Religion) نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے وسیع ذخیرے میں اِسلام کے لیے مذہب کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ دین کی اصطلاح آئی ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران[3]: 19)

"بے شک اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے"۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ[5]: 3)

"آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمایا"۔

ایک دور تھا جبکہ مذہب کا لفظ وسیع مفہوم میں دین کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مغربی فکر کی یلغار کے بعد مذہب کا لفظ اب Religion کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اب مذہب کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے ہوتا ہے جبکہ دین کا تعلق انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں سے۔ مذہب محض چند عقائد، مراسم عبودیت اور رسومات کا مجموعہ ہے جبکہ دین میں ان سب کے ساتھ ساتھ سیاست، معیشت اور معاشرت سے متعلق بھی ہدایات ہوتی ہیں۔ کسی ملک میں ایک ساتھ کئی مذاہب پر عمل ممکن ہے لیکن اجتماعی نظام یا دین ایک ہی ہوگا۔ کسی ملک میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام یا ملوکیت اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلام بطورِ دین نافذ تھا جبکہ

عیسائیت، یہودیت وغیرہ بطورِ مذہب موجود تھے۔ دورِ انگریز میں اسلام بھی محدود ہو کر محض مذہب کی حیثیت سے موجود رہا جس پر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ملّا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

نبی اکرم ﷺ صرف آخری رسول ہی نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ پر رسالت کی تکمیل بھی ہوئی۔ لہٰذا نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں دینِ حق کے غلبہ کی منزل اِس طرح سر ہو کہ زندگی کے ہر گوشہ میں مثالی عدل کی نظیر قائم ہو جائے۔ الحمد للہ آپ ﷺ نے 21 برس کی سخت اور کٹھن محنت کے ذریعہ یہ منزل سر کی اور رہتی دنیا کے لیے ایک مثالی نظام قائم کر کے اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا۔ نظامِ عدلِ اجتماعی کے بارے میں انسان جس جس اعلیٰ قدر (value) کا تصور کرے گا اسے آپ ﷺ کے قائم کردہ نظام میں موجود پائے گا۔ بقول اقبالؒ:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو　　زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زِ نورِ مصطفیٰ او را بہاست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

"جہاں کہیں بھی تو جہانِ رنگ و بو دیکھتا ہے کہ اس کی خاک سے آرزو (بھلائی) پیدا ہوتی ہے۔
یا تو اس کو نورِ مصطفیٰ سے روشنی حاصل ہوئی ہے یا ابھی تک نورِ مصطفیٰ کی تلاش میں ہے"۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ:

ہر دور میں شرک کے دو نظام موجود رہے ہیں۔ ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ مذہبی شرک کے پیشوا پنڈت، پادری، پروہت، پجاری اور پیر بن کر عوام کی محنت کی کمائی سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتے رہے اور سیاسی شرک کے سردار بادشاہوں کے روپ میں Divine rights of kings کا تصور دے کر عوام سے خراج وصول کرتے رہے۔ دونوں استحصالی عناصر کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا۔ بادشاہ مذہبی پیشواؤں کو His Holiness کی سند دیتا رہا اور مذہبی پیشوا بادشاہوں کو Defenders of the faith کا اعزاز دیتے رہے۔

اسلام نے مذہبی شرک کے سدباب کے لیے توحید کا ایسا تصور دیا کہ خالق و مخلوق میں حائل تمام واسطوں اور وسیلوں کی نفی کر دی:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

سورۃ البقرۃ[2] آیت 186 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

"اور (اے نبی ﷺ !) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو بہت ہی قریب ہوں۔ جب بھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کا جواب دیتا ہوں"۔

اسی طرح اسلام سیاسی شرک کے ابطال کے لیے اِس حقیقت پر بہت زور دیتا ہے کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام[6]: 57، یوسف[12]: 40، 67)

"حکم دینے کا اختیار کسی کے لیے نہیں سوائے اللہ کے"۔

وَّ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (الکھف[18]: 26)

"وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ہے"۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اِسلام نے انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف اللہ کی غلامی کے رنگ میں رنگ دیا اور بادشاہت کی بجائے خلافت کا تصور دیا۔ اب جِن لوگوں کے مفادات پر اِسلام کی انقلابی دعوت کی ضرب پڑتی ہے، اُن کے لیے اِس دعوت کا پھیلنا ناگوار ہوتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (الشوریٰ[42]: 13)

"بھاری ہے اے نبی (ﷺ) مشرکین پر وہ (دین کا غلبہ) جس کی طرف آپ (ﷺ) دعوت دے رہے ہیں"۔

مشرکین نے نظامِ عدل کے قیام کی راہ میں ہر رکاوٹ کھڑی کی۔ نبی اکرم ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کو اذیت ناک الزامات اور طعنے بھی سننا پڑے، تشدد بھی برداشت کرنا پڑا، جانوں کے نذرانے بھی پیش کرنا پڑے، اونٹ کی اوجھڑی عین حالتِ سجدہ میں آپ ﷺ پر ڈالی گئی، طائف کے بازار میں

سرِعام لہولہان کیا گیا، غارِ ثور میں پناہ لینی پڑی، بدر کے میدان میں بے سروسامان ساتھیوں کے ساتھ اترنا پڑا، میدانِ اُحد میں خود مجروح ہو کر بے ہوش ہوئے اور کئی ساتھیوں کے لاشے دیکھنا پڑے، غزوۂ احزاب میں پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے اور تب کہیں جاکر دینِ حق غالب ہوا۔

یہ آیت واضح کررہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مشن محض وعظ و نصیحت اور درس و تدریس نہ تھا۔ آپ ﷺ کا مشن انقلابی تھا جس کا مقصد نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑنا اور اُس کی جگہ نظامِ عدل کو قائم فرمانا تھا۔ آپ ﷺ نے محض انذار، تبشیر اور تزکیہ و تربیت ہی نہ کی بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کو میدان میں لاکر باطل سے ٹکرایا اور ایک مثالی نظام قائم کر دیا۔ آپ ﷺ کے برپا کیے ہوئے انقلاب کے نتیجہ میں ایک منتشر قوم، ایک منظم قوم میں بدل گئی۔ اَن پڑھ لوگ معلّم بن گئے۔ پوری دنیا کے لیے ایک نیا تمدن یا نظامِ مملکت وجود میں آیا اور ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ زندگی کا ہر گوشہ ہی بدل گیا۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت ہے غلبۂ دینِ حق۔ البتہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ اِس مشن کی تکمیل کے لیے نبی کے ساتھ ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ المائدۃ[5] کے چوتھے رکوع میں بیان ہوا کہ ایک وقت میں اللہ کے دو رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام موجود تھے لیکن دینِ حق غالب نہ ہوسکا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ قوم نے اِس مشن کے لیے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سورۃ الصّف[61] کی بقیہ آیات میں مختلف اسالیب سے غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے مال اور جان لگانے کی دعوت دی جارہی ہے تاکہ اِس مشن کے لیے جماعت تیار کی جاسکے۔

آیات 1 تا 4

غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کی دعوت: ترہیب کے انداز میں

آیت 1:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ ... پاکی بیان کی اللہ کی ہر اُس شے نے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ... اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

- سَبَّحَ - يُسَبِّحُ کے لغوی معنی ہیں تیرانا یعنی کسی شے کو اس کے اصل مقام پر برقرار رکھنا اور اصطلاحی معنی ہیں پاکی بیان کرنا۔ تسبیح باری تعالیٰ سے مراد اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ اللہ ہر کمی، ہر عیب، ہر نقص، ہر احتیاج اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔
- لفظ "ما" کے استعمال سے "کل مکان" (Space) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اِسی طرح ان مدنی سورتوں میں تین بار ماضی کا صیغہ سَبَّحَ (سورۃ الحدید[57]-سورۃ الحشر[59]-سورۃ الصف[61] کے آغاز میں) اور تین ہی بار مضارع کا صیغہ يُسَبِّحُ (سورۃ الجمعۃ[62] اور سورۃ التغابن[64] کے آغاز اور سورۃ الحشر[59] کے آخر میں) استعمال کر کے "کل زمان" (Time) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ گویا ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور یہ تسبیح ہر جگہ اور ہر وقت جاری ہے۔
- کائنات کی ہر شے زبانِ حال سے اپنے خالق کی صنّاعی اور کمالِ تخلیق کا اعلان تو کر ہی رہی ہے لیکن اُسے اللہ نے قوتِ گویائی بھی دی ہے جس سے وہ تسبیح حالی کے ساتھ ساتھ تسبیحِ قولی بھی کر رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل[17] : 44)

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے"۔

- اس آیت میں اللہ کی دو صفات عزیز اور حکیم بیان ہوئی ہیں۔ عزیز کی صفت اللہ تعالیٰ کے اختیارِ مطلق کو ظاہر کرتی ہے یعنی اللہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ البتہ وہ حکیم بھی ہے یعنی اپنے اختیارات

کو حکمت کے ساتھ استعمال فرماتا ہے اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔

- یہ آیت سورت کی پر شکوہ تمہید ہے جو بیان کر رہی ہے کہ اے مسلمانو! ایک ایسا خالق تم سے مخاطب ہے جس کی تسبیح ارض و سماء کی ہر شے کر رہی ہے۔ اگلی آیت اِس حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ جہاں تک خالق کی تسبیح کا تعلق ہے تو یہ عمل تو جملہ مخلوقات انجام دے رہی ہیں، انسان یعنی اشرف المخلوقات سے تو اللہ کو کچھ اور مطلوب ہے:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

آیات 2– 3:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اے وہ لوگو جو ایمان لائے ... لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ... تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ ... كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ ... اللہ کے نزدیک بڑی ہے یہ بات بیزار کرنے کے اعتبار سے ... اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ... کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔

- اِس آیت میں قول و فعل کے تضاد پر جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ مسلمان کلمہ پڑھ کر دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور وہی اِس کا معبود ہے۔ اب اگر معاشرے میں بالفعل اللہ کی بڑائی نافذ نہ ہو اور مسلمان اپنے گھر بار، ملازمت، کاروبار اور ضروریاتِ دنیا ہی میں مشغول ہوں تو یہ طرزِ عمل اس کے دعویٰ کے برخلاف اور اللہ کو ناراض کرنے والا ہے۔ اِسی طرح کلمہ پڑھ کر ایک مسلمان اعلان کرتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور تمام انسانوں سے محبوب ترین ہستی سمجھتا ہے۔ اب اِس دعویٰ کا تقاضا ہے کہ اس کا وقت، توانائیاں اور مال اِسی مشن کے لیے لگ رہا ہو، جو مشن تھا جناب نبی کریم ﷺ کا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

- مَقْتًا کا لفظ عربی زبان میں شدید ترین بیزاری کے لیے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص توقع پر پورا نہ

اتر رہا ہو تو اُس پر غصہ آتا ہے اور جس سے اب خیر کی توقع ہی نہ رہے اُس سے بیزاری ہو جاتی ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو مسلمان قول و فعل کے تضاد میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اللہ کے کس قدر غیظ و غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آیت 4:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ... بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے ... يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ... جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں ... صَفًّا... جم کر صف در صف ... كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ... گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

- یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کا محبوب ترین عمل قتال فی سبیل اللہ ہے۔
بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

مقامِ بندگی دیگر مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی
چنا خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ھا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

"مقامِ بندگی اور ہے مقامِ عاشقی کچھ اور ہے نوری (مخلوق) سے تو سجدہ چاہتا ہے اور خاکی (انسان) سے اس سے زیادہ چاہتا ہے۔ تو اپنے آپ بڑی بے نیازی سے پوشیدہ رکھتا ہے اور اپنے دوستوں سے اپنے وجود پر خود کی گواہی چاہتا ہے"۔

یا تو اس کو نورِ مصطفیٰ سے روشنی حاصل ہوئی ہے یا ابھی تک نورِ مصطفیٰ کی تلاش میں ہے"۔

- قتال فی سبیل اللہ دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے ابتدائی مراحل طے کرتے ہوئے ایسی منظم جماعت کی صورت اختیار کریں جو اِس طرح سے ڈٹ کر اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جنگ کرے گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔
- اسلام کے فلسفۂ اخلاق میں خانقاہی نظام کے برعکس اعلیٰ ترین نیکی وہ عمل ہے جو قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جائے۔ اللہ کی محبت محض تسبیح و تحمید اور ذکر و اذکار سے حاصل نہیں ہوتی

بلکہ اُس کے لیے نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں آنا ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم اللہ کے محبوب بندوں کا ذکر اِس طرح کرتا ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ (البقرة[2]: 177)

"اور بالخصوص صبر کرنے والے سختیوں میں اور تکالیف میں اور لڑائی کے وقت"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران[3]: 146)

"اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو انہوں نے ہمت نہ ہاری اُن تکالیف پر جو اُنہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ باطل کے سامنے دبے اور اللہ ایسے ہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب[33]: 23)

"مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر (جان) پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ (1)

"جس کی موت اِس حال میں واقع ہوئی کہ نہ اُس نے کبھی (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ ہی اُس کے دل میں اِس کی آرزو پیدا ہوئی تو اُس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی"۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جانے والی راہ پر چلنا، اُس وعدے کو نبھانے کے لیے ضروری ہے جو ہر مسلمان کلمہ پڑھ کر اللہ کے ساتھ کرتا ہے۔ اِس وعدے کا ذکر سورۃ التوبۃ[9]

(1) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ

آیت 111 میں اِن الفاظ میں آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کیے جاتے ہیں"۔

- سورۃ البقرۃ[2] آیت 154 اور سورۃ آلِ عمران[3] آیت 169 کی روشنی میں جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں، انہیں مردہ تصوّر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اِنہیں ہمیشہ ہمیش کی زندگی عطا فردیتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ (البقرۃ[2]:154)

"اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں کہ وہ مردہ ہیں! بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اِس کا شعور نہیں"۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

(آلِ عمران[3]:169)

"اور ہرگز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"۔

اللہ کی راہ میں شہادت کی اہمیت درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے بھی واضح ہوتی ہے:

لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ (۱)

"میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جاؤں"۔

اللہ کے رستہ کی جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب تَمَنِّي الشَّهَادَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

آیات 5 تا 8

بنی اسرائیل کا غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد سے اعراض
مسلمانوں کے لیے عبرت

مسلمانوں سے قبل بنی اسرائیل تقریباً دو ہزار برس تک اُمت کے منصب پر فائز رہے۔ اُنہوں نے اِس دوران شریعت پر عمل اور نفاذِ شریعت کے لیے جد وجہد کے حوالے سے ایسی پہلو تہی کا مظاہرہ کیا کہ اللہ اُن سے ناراض ہوا اور اُنہیں اُمت کے منصب سے معزول کر دیا۔ اِن آیات میں بنی اسرائیل کے تین ادوار کا ذکر بطورِ عبرت کیا جا رہا ہے۔

آیت 5:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ... اور (یاد کرو) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا... یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ... کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو؟... وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ... حالانکہ تم جانتے ہو... اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ... کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں... فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ... پھر جب اُن لوگوں نے کجروی اختیار کی اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیے... وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝... اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- اِس آیت میں تاریخِ بنی اسرائیل کے اُس دور کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بذاتِ خود اُن کے درمیان موجود تھے اور اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت سے دوچار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف سے ذاتی اعتبار سے بھی اذیت کا سامنا ہوا جس کا ذکر یوں ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ۝ (الاحزاب 33:69)

"مومنو! تم اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا (عیب لگا کر) تو اللہ نے اُن کو پاکباز ثابت کیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے"۔

لیکن سیاق وسباق کی روشنی میں یہاں اُس اذیت کی طرف اشارہ ہے جو قوم نے جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض کر کے موسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی۔ اس کا ذکر سورۃ المائدہ کے چوتھے رکوع میں ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے آزاد کرایا،

صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کو کئی مادی نعمتیں عطا کی گئیں اور پھر تورات کی صورت میں عظیم روحانی نعمت دی گئی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فلسطین پر قابض ایک مشرک قوم کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی۔ قوم نے کورا جواب دیا کہ "اے موسیٰ علیہ السلام آپ اور آپ کا رب جاکر جنگ کریں ہم یہاں پر بیٹھے رہیں گے"۔ موسیٰ علیہ السلام کو قوم کے اِس جواب پر اس قدر رنج ہوا کہ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کی:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ (المائدۃ[5]:25)

"اے میرے رب! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا، تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی ڈال دے"۔

- سورۃ الصف[61] کے عمود کے اعتبار سے ضمنی لیکن ایک اہم نکتہ اس آیت میں فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اِس نکتہ کا تعلق اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں نیکی و بدی کی پہچان رکھ دی ہے اور اِسے اختیار دیا ہے کہ چاہے تو نیکی کا راستہ اختیار کرے اور چاہے بدی کا:

اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (الدھر[76]:3)

"ہم نے اسے رستہ دکھادیا (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا"۔

اب جو شخص جس راستہ پر چلتا ہے تو اُس کے لیے وہی راہ آسان کر دی جاتی ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾ (الیل[92]:5-10)

"تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور اچھی بات کی تصدیق کی، اُس کے لیے ہم آسانی (جنت) کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا، اُس کے لیے ہم مشکل (جہنم) کی راہ آسان کر دیتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ جو شخص خود گمراہی کی طرف چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اِس راستہ پر ڈھیل دے دیتا ہے۔

گمراہی کے طرف جانے کے دو پہلو ہیں۔ بندہ کا ارادہ اور اللہ کی طرف سے اذن۔ قرآن میں کہیں ایک پہلو بیان ہوا اور کہیں دوسرا۔ دوسرا پہلو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان ہوتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرة2: 7) "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی" یا وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (الرعد13: 33) "جسے اللہ گمراہ کر دے اِسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں"۔ جب دوسرا پہلو بیان ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ جب اللہ ہی نے گمراہ کر دیا تو اِس میں انسان کا کیا قصور۔ اِس آیت میں دونوں پہلو بیان کر کے اللہ نے شیطانی وسوسے کا ازالہ فرمادیا یعنی فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ "جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے اُن کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا"۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ}(1)

"بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کے بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے، یہی رَین (زنگ) ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (الرعد83: 14) میں ہے"۔

آیت 6:

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... اور (یاد کرو) جب حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ... يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ... اے بنی اسرائیل! ... اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ... بلا شبہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں ... مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ... تصدیق کرتا ہوں اُس (کتاب) کی جو مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات کی ... وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ ... اور بشارت سناتا ہوں ایک رسول کی

(۱) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورۃ ویل للمطففین، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ

... يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي ... جو میرے بعد آئیں گے ... اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ... جن کا نام احمد ہو گا ... فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ... پھر جب وہ اُن لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے ... قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ ... کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

- اس آیت میں تاریخ بنی اسرائیل کا دوسرا دور بیان ہوا ہے جب اُن میں سلسلۂ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کئی حسی معجزے عطا کیے تھے، جن کا ذکر سورۃ آل عمران[3] آیت 49 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں ہوا:

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾

"اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بہ شکل پرندہ بناتا ہوں پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) پرندہ بن جاتا ہے اور اندھے اور کوڑھی کے مریض کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے"۔

بنی اسرائیل کی اکثریت نے اِن معجزات کو جادو قرار دیا اور کیونکہ جادو کرنا شریعت میں کفر ہے لہٰذا علمائے بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مرتد اور پھر واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا اور اپنے تئیں آپ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ نے آپ علیہ السلام کو محفوظ رکھا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ (النساء[4]: 157-158)

"اور اُنہوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ اُنہیں سولی پر چڑھایا بلکہ اُن کے لیے وہ معاملہ شبہ کا

ہے اور جو لوگ اِس معاملہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے پاس صحیح علم نہیں بلکہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور انہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے"۔

- اِس آیت میں بھی سورت کے اصل موضوع کے اعتبار سے ضمنی طور پر لیکن ایک اہم مضمون بیان ہوا ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ۔ آپ کی دو صفتیں اِس آیت میں بیان ہوئیں:

i. آپ علیہ السلام شریعتِ موسوی کے مجدد ہیں۔ آپؑ نے تورات کی شریعت ہی کو بر قرار رکھا اور اِس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ انجیل کے Sermon of the mount یعنی پہاڑی کا وعظ میں آپ کا یہ جملہ موجود ہے:

"Do not think that I have come to abolish the law" (Sermon on the Mount, Matthew Ch: 5, V: 17)

"یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعتِ (موسوی) کو ختم کرنے آیا ہوں"

گویا آپ کی تشریف آوری شریعتِ موسوی کو پھر سے زندہ اور قائم کرنے کے لیے تھی۔ شریعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سینٹ پال نے ساقط کیا اور تثلیث اور کفارہ کے گمراہ کن عقائد گھڑ کر عیسائیت کی صورت مسخ کر دی۔

ii. آپ علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی۔ انجیل میں آج بھی وہ عبارات موجود ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی گئی ہے۔ مثلاً انجیل برناباس میں ہے:

"But after me shall come the Splendour of all the prophets and holy ones, and shall shed light upon the darkness of all that the prophets have said, because he is the messenger of God." (Barnabas, Ch: 17)

"مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے"۔

"As for me, I am now come to the world to prepare the way for the Messenger of God, who shall bring salvation to the world." (Barnabas, Ch: 72)

"رہا میں، تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لیے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لیے نجات لے کر آئے گا"۔

I am indeed sent to the House of Israel as a prophet of salvation; but after me shall come the Messiah, sent of God to all the world; for whom God has made the world. And then through all the world will God be worshipped, and mercy received."(Barnabas, Ch: 82)

"میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مگر میرے بعد مسیح آئے گا، خدا کا بھیجا ہوا، تمام دنیا کی طرف، جس کے لیے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے، اُس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اُس کی رحمت نازل ہوگی"۔

"The name of the Messiah is admirable, for God himself gave him the name when he had created his soul." (Barnabas, Ch: 97)

"اس مسیح کا نام قابل تعریف (احمد) ہے۔ کیونکہ خدا نے جب اس کی روح کو پیدا کیا تھا تو اس کا یہ نام خود رکھا تھا"۔

الطاف حسین حالی نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نوید مسیحا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انہیں اقوال کی بنیاد پر شاہِ نجاشی نے بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے جب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سنیں تو کہا کہ:

أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ فَإِنَّهُ الَّذِي نَجِدُ فِي الْإِنْجِيلِ وَإِنَّهُ الرَّسُولُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ[1]

"میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی"۔

قرآنِ حکیم اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود تھا:

(۱) مسند احمد، کتاب مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ، باب مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ

(الاعراف 7:157)

"وہ نبی اُمی ہیں، جن (کے ذکرِ مبارک) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"۔

سورۃ البقرۃ 2 آیت 146 اور سورۃ الانعام 6 آیت 20 میں یہ بھی بیان ہوا کہ اہل کتاب نبی کریم ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں"۔

اِس سے بڑھ کر قرآنِ حکیم تورات اور انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کی موجودگی کی بھی خبر دیتا ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (الفتح 48:29)

"وہ اُن کی مثال ہے تورات میں اور اُن کی مثال ہے انجیل میں"۔

- احمد کے معنی ہیں وہ جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو یا جس کی تعریف سب سے زیادہ کی گئی ہو۔ ایک متفق علیہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے احمد بھی ایک نام تھا(۱)۔ عرب کا لٹریچر اِس بات سے خالی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے قبل کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو اور آپ ﷺ کے بعد اس نام کے اس قدر لوگ ہو گزرے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

آیت 7:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ... اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان باندھے ... وَ هُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ ... جبکہ اُسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف ... وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ... اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِس آیت میں تاریخ بنی اسرائیل کے تیسرے دَور کا ذکر ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت ہو گئی۔ بنی اسرائیل نبی اکرم ﷺ کی آمد کے کئی برس سے منتظر تھے۔ اُن کی کتابوں میں آخری رسول کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْمَنَاقِبِ، باب مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، صحیح مسلم، کتاب الْفَضَائِلِ، باب فِي أَسْمَائِهِ ﷺ ... عَنْ مُطْعِمِ بْنِ عَدِيٍّ رضی اللہ عنہ

بعثت کا مقام کھجوروں والی زمین کو قرار دیا گیا تھا جس سے مراد ہے مدینہ۔ اِسی لیے اُن کے تین قبیلے مدینہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ وہ مدینہ میں آباد عرب قبیلوں اوس اور خزرج کو آخری نبی ﷺ کی آمد اور اُن کی قیادت میں اپنے غلبہ کی خبریں سنایا کرتے تھے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ (البقرۃ 2:89)

"اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے آگئی کتاب (قرآنِ حکیم) جو تصدیق کرتی تھی اُن کے پاس موجود کتابوں کی، اور وہ اِس سے قبل فتح کی دعا کیا کرتے تھے اُن لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے کفر کیا، پس جب آگیا اُن کے پاس وہ حق جسے اُنہوں نے پہچان لیا تو اُنہوں نے اُس کا کفر کیا پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر"۔

البتہ جب نبی کریم ﷺ کی آمد ہوئی تو یہود کو حسد ہو گیا کہ آخری نبی بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے کیوں آئے ہیں اور انہوں نے جھوٹ کا سہارا لے کر آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اُن کی دروغ گوئی کی کئی مثالیں قرآنِ حکیم میں بیان کی گئیں مثلاً:

i. اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل ہی نہ کیا:

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (الانعام 6:92)

"جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نازل نہیں کیا"۔

ii. ہم سے تو عہد لیا گیا ہے کہ رسول پر ایمان اُس وقت تک نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ آکر کھا جائے:

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ (آلِ عمران 3:183)

"جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول کی بات نہ مانیں گے جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ آکر کھا جائے"۔

iii. یہودی یا نصرانی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا (البقرۃ 2:135)

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پر آجاؤ گے"۔

iv. جنت میں صرف یہودی یا نصرانی ہی داخل ہوں گے:

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرۃ 2:111)

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا"۔

اِس طرح یہود نے اپنے تکبر، حسد اور جھوٹ کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور عذاب سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی مہلت اور آخری موقع کا فائدہ نہ اٹھایا:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل 17:8)

"امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے گا اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے"۔

آیت 8:

يُرِيْدُوْنَ ... وہ چاہتے ہیں کہ ... لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ... بجھادیں اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے ... وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ ... اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا ... وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ... خواہ کافر اِسے ناپسند کریں۔

- اِس آیت میں بنی اسرائیل کی اُن سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ دینِ اسلام کے خلاف کر رہے تھے۔ یہود اپنے حسد کی وجہ سے نہ صرف قبولیتِ حق سے محروم رہے بلکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت میں دیگر کفار سے بھی آگے نکل گئے۔ قرآنِ حکیم نے انہیں اہلِ ایمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

(المائدہ 5:82)

"(اے نبی ﷺ) آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں"۔

- اِس آیت میں یہ بات ظاہر کر دی گئی کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کے خلاف کبھی بھی کھلے میدان میں آکر مقابلہ نہ کریں گے۔ اِس کی وجہ وہ بزدلی تھی جو اُن میں حق سے اعراض

کی بنا پر پیدا ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں کا مقابلہ قلعوں میں محصور ہو کر اور دیواروں کے پیچھے سے کرتے رہے:

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (الحشر 59:14)

"یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (سامنے آکر) نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (چھپ کر)"۔

یا سازشوں کے ذریعے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار کر دینِ حق کو مٹانے کے کوشش میں لگے رہے۔ اِن سازشوں کو اللہ تعالیٰ نے پھونکوں سے تعبیر کیا ہے۔ اِس آیتِ مبارکہ میں یہ بات واضح کر دی گی کہ ان کی یہ ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

- اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس فیصلہ کا اعلان فرمادیا کہ وہ دین کو غالب کر کے رہے گا۔ چنانچہ یہود کی تمام تر مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود 8ھ میں فتح مکہ کے ساتھ ہی دینِ حق کا غلبہ ہوا اور باطل نابود ہو کر رہ گیا:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل 17:81)

"اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل ہے ہی مٹنے والا"۔

- آج بھی دشمنانِ اسلام، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں لیکن یہ آیت خوشخبری دے رہی ہے کہ بالآخر اللہ کا دین ہی غالب ہو گا:

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

کفار اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اپنی تدبیر بھی کار فرما ہے اور وہ دینِ حق کے غلبے کا وعدہ پورا فرما کر رہے گا۔ تاہم عالمِ واقعہ میں اِس کا ظہور اہل ایمان کے ہاتھوں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل ایمان کے ساتھ ہوتی ہے مگر اِس شرط کے ساتھ کہ اہل

ایمان اپنے اختیار کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہوں وہ کر گزریں۔ اگر مسلمان اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے تن من دھن لگا دیں تو اللہ کی مدد ضرور اُن کے شاملِ حال ہو گی:

وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج22:40)

"اور اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے جو اُس (اللہ) کی مدد کرتا ہے"۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد47:7)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آیات 10 تا 13

غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کی دعوت۔ترغیب کے انداز میں

آیت 10:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اے لوگو جو ایمان لائے ہو ... هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ ... کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں ... تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ... جو تمہیں بچالے دردناک عذاب سے۔

- اِس آیت میں بڑے فطری اسلوب میں، انسانی نفسیات کے بہت قریب ہو کر، ایک سوالیہ انداز میں اہلِ ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہر انسان ایسی تجارت کا خواہش مند ہوتا ہے جس میں خسارے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہاں ایسی تجارت کا ذکر کیا جارہا ہے جو ہمیشہ ہمیش کے خسارے یعنی دردناک عذاب سے انسان کو بچالے گی۔ یہی حقیقت بڑے جھنجھوڑنے کے انداز میں قرآنِ حکیم میں بار بار بیان ہوئی:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرة2:214)

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ ان پر

سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اس وقت انہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ یَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ (آلِ عمران 3:142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً (التوبة 9:16)

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا"۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ (العنکبوت 29:2)

"کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے محض اِس لیے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا"۔

گویا دردناک عذاب سے نجات اور جنت کا حصول آسان نہیں، اِس کے لیے محنت کرنا پڑے گی اور آزمائش کی بھٹیوں سے لازماً گزرنا پڑے گا۔

- تربیتی نقطۂ نگاہ سے یہ بڑا مفید اسلوب ہے کہ پہلے ایک سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔ حدیثِ جبرائیل علیہ السلام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کے رسول ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات کیے اور آپ ﷺ نے جوابات دیئے۔ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کے لیے اکثر یہ اسلوب اختیار فرماتے تھے۔

آیت 11:

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ... ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر ... وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ... اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ... ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ... یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان لو۔

آیت 10 میں بیان شدہ سوال کا جواب اِس آیت میں دیا گیا ہے۔ دردناک عذاب سے بچنے کے لیے دو کام کرنا ہوں گے:

1. ایمانِ حقیقی کا حصول:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء[4]:136)

"اے لوگو جو (زبان سے) ایمان لائے ہو !ایمان لاؤ(دل سے) اللہ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر اور جو کتاب اُس نے نازل کی اپنے رسول ﷺ پر اور جو کتابیں اُس نے نازل کیں اِس سے پہلے"۔

2. مال اور جان سے جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ، ایمانِ حقیقی کا لازمی مظہر ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات[49]:15)

"مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ یہی لوگ سچے ہیں"۔

(ایمانِ حقیقی اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں تفاصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہیں)

آیت 12:

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ... وہ تمہارے گناہ بخش دے گا ... وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ... اور داخل کرے گا تمہیں اُن باغات میں بہتی ہیں جن کے دامن میں نہریں ... وَ

مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ... اور اُن پاکیزہ مکانات میں جو ہمیشہ رہنے والے باغات میں ہیں ... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ ... وہی ہے شاندار کامیابی۔

- آیت 11 میں بیان شدہ تقاضوں کو ادا کرنے والوں کے لیے اِس آیت میں دو انعامات بیان کیے گئے ہیں:

   i. گناہوں کی معافی

   ii. جنت کے پاکیزہ گھروں میں داخلہ

- اِس آیت میں مزید فرمایا گیا کہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے، جیسے کہ سورۃ الاعلیٰ 87 آیت 17 میں وارد ہوا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے)۔

بندۂ مومن کو دنیا کے نتائج سے لاتعلق ہو کر نگاہ آخرت کی کامیابی پر مرکوز کرنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے فتحِ مکہ سے قبل شہادت کی سعادت حاصل کی۔ وہ دنیوی فتح نہ دیکھ سکے لیکن غلبۂ دین کی راہ میں جانیں نثار کر کے ہمیشہ ہمیش کی کامیابی سے فیض یاب ہو گئے۔ جو لوگ محض دنیوی نتائج کے طلب گار ہوتے ہیں وہ اکثر مایوس کن حالات کی وجہ سے ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ فیض نے کیا خوب کہا ہے:

یہ فصل اُمیدوں کی ہمدم　　اِس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبح و شاموں کی　　اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں　　پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اَشکوں سے　　پھر اگلی رُت کی فکر کرو
پھر اگلی رُت کی فکر کرو　　جب پھر اِک بار اُجڑنا ہے
اِک فصل پکی تو بھر پایا　　جب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

آیت 13:

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ... اور ایک دوسری کامیابی جسے تم پسند کرتے ہو ... نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ... اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح ... وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾ ... اور (اے نبی ﷺ) مومنوں کو (قریبی فتح کی) خوشخبری سنا دیجیے۔

- دنیا کی کامیابی کی اللہ کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں۔ البتہ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اِس کی محنتوں کے نتائج بھی اِس کے سامنے ظاہر ہوں۔ اللہ نے اِس آیت میں دنیوی فتح کی بھی بشارت دی ہے۔ نبی کریم کے دور میں دو سال میں ہی یہ بشارت پوری ہوئی اور دین غالب ہو گیا۔ واضح رہے کہ سورۃ الصف[61] کا زمانۂ نزول 6 ہجری ہے جبکہ 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا۔
- نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت ہے غلبۂ دینِ حق۔ آپ ﷺ کی رسالت روئے ارضی پر بسنے والی تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف[7]: 158)

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا[34]: 28)

"اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر"۔

اِن دو نکات کا منطقی نتیجہ ہے کہ جب تک کل روئے ارضی پر دینِ حق کا غلبہ نہیں ہو جاتا اُس وقت تک آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت شرمندۂ تکمیل رہے گا۔ اِنسان کا اجتماعی شعور آج عالمی ریاست (world state) اور عالمی نظام (world order) تک پہنچ گیا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بشارت دی گئی ہے کہ یہ عالمی نظام دراصل دینِ حق کے غلبہ کا نظام ہو گا:

تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ[1]

"نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ (یعنی نبی کریم ﷺ کی بنفسِ نفیس موجودگی) پھر جب وہ چاہے گا اُسے اُٹھا لے گا۔ پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت کا دور آئے گا، یہ

(۱) مسند احمد، کتاب مُسْنَدِ الْكُوفِيِّينَ، باب حَدِيثُ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ

دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر اُسے اُٹھالے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی جو اُس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اُسے بھی ختم کردے گا۔ پھر مجبوری کا دور حکومت ہوگا جو اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اُسے بھی ختم کردے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت کا دور آئے گا۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے"۔

إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا(۱)

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا۔ پس میں نے اُس کے تمام مشرق و مغرب دیکھ لیے اور میری امت کی حکومت زمین پر وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹ دی گئی"۔

لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا(۲)

"روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کردے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے یعنی اللہ تعالیٰ جن کو عزت عطا فرمائے گا انہیں کلمۂ اسلام کا قائل بنادے گا اور جن کو ذلیل فرمائے گا انہیں اِس کے تابع فرمادے گا"۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ، باب هَلَاكِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ... عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ
(۲) مسند احمد، کتاب بَاقِي مُسْنَدِ الْأَنْصَارِ، باب حَدِيْثُ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

آیت 14

غلبۂ دینِ حق کے لیے جہاد کرنے والوں کے لیے عظیم سعادت اللہ کے مددگار ہونے کا اعزاز

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اے لوگو جو ایمان لائے ہو ... كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ... ہو جاؤ اللہ کے مددگار ... كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ ... جیسا کہ پکارا تھا حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو ... مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ... کون ہے میرا مددگار اللہ کے لیے ... قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ... ساتھیوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار ... فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... تو ایمان لے آیا بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ... وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ... اور کفر کیا ایک گروہ نے ... فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ ... پھر ہم نے مدد کی اُن کی جو ایمان لائے تھے اُن کے دشمن کے مقابلہ میں ... فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝۱۴ ... تو وہ غالب ہو گئے۔

- اِس آیت میں اہلِ ایمان کو بہت بڑا اعزاز دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد کریں گے تو اللہ کے مددگار قرار پائیں گے۔ کہاں اللہ اور کہاں انسان۔ اللہ جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن ہمارے امتحان کے لیے اُس نے دین کے تقاضے رکھے ہیں۔ اب جو کوئی اِن تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اللہ کا مددگار قرار پائے گا۔ سچے اہلِ ایمان نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ عالمِ واقعہ میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مال و جان کھپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کی قدر افزائی کی جاتی ہے اور اللہ انہیں اپنا انصار قرار دیتا ہے۔ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر اور کوئی اونچا مقام نہیں ہو سکتا۔
- سورۃ الحدید[57] آیت 25 میں نصرت کے حوالے سے دو نسبتوں کا بیان آتا ہے۔ اللہ کی نصرت اور اُس کے رسولوں کی نصرت۔ دین اللہ کا ہے اور اُس کے غلبہ کی جدوجہد رسولوں کا فرضِ منصبی ہے۔ بظاہر ایک فرد غلبۂ دین کی جدوجہد میں شریک ہو کر رسول کی نصرت کر

رہا ہوتا ہے لیکن در حقیقت اُس کی یہ نصرت اللہ کے لیے یعنی اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ہوتی ہے۔

- اس آیت میں مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ غلبہ ٔ دین کی جدوجہد کے لیے ایک اجتماعیت کا قیام ضروری ہے اور اسلام میں اجتماعیت کی اساس یہ ہی ہے کہ ایک اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر غلبہ ٔ دین کے مشن کے لیے آواز لگائے۔ پھر لوگ اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت کے نظم کی پابندی کریں۔ جماعت سازی کے لیے شخصی بیعت کا یہ طریقہ ہی منصوص، مسنون، ماثور اور معقول ہے۔
- بنی اسرائیل کی تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا دنیا میں غالب ہوئے اور اُن کا انکار کرنے والے یہودی مغلوب ہوئے۔ 70ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں اور 20ویں صدی میں ہٹلر کے ہاتھوں اُن پر عذابِ الٰہی کے کوڑے برسے۔ اِس وقت اگرچہ یہود کی آزاد ریاست قائم ہوگئی ہے لیکن وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں کے سہارے ہی کھڑی ہے۔

درسِ چہارم:

سورۃ الجمعہ 62

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ هُوَ الَّذِيْ
بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٤
مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ
اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ چہارم کا درسِ چہارم سورۃ الجمعۃ 62 پر مشتمل ہے۔
2. سورت الجمعۃ 62 مکی-مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔ اِن سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:
   - خطاب براہِ راست مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ہے بھی تو بطورِ عبرت۔
   - جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔
   - اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔

- ان سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور انہیں مسبّحات کہا جاتا ہے۔ سورۃ الحدید[57]، سورۃ الحشر[59]، سورۃ الصف[61] کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّحَ آیا ہے اور سورۃ الجمعۃ[62]۔ سورۃ التغابن[64] کے آغاز میں مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الحشر[59] اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کی پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔
- مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے ان میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورۃ التغابن[64]، حصہ سوم میں سورۃ التحریم[66]، حصہ چہارم میں سورۃ الصف[61]، سورۃ الجمعۃ[62]، سورۃ المنافقون[63] اور حصہ ششم میں سورۃ الحدید[57] شامل ہے۔

3. سورۃ الجمعۃ[62] کا موضوع ہے "حکمت و احکاماتِ جمعہ"۔ سورۃ الجمعۃ[62] قرآنِ حکیم کی ان چند سورتوں میں سے ہے جن کے نام اور موضوع میں مطابقت پائی جاتی ہے۔
4. سورۃ الجمعۃ[62]، سورۃ الصف[61] کا جوڑا ہے۔ سورۃ الصف[61] میں سیرت کا ایک رُخ بیان ہوا یعنی نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت- غلبۂ دینِ حق۔ سورۃ الجمعۃ[62] میں سیرت کا دوسرا رُخ بیان ہوا یعنی غلبۂ دینِ حق کے لیے نبی اکرم ﷺ کا اساسی طریقۂ کار۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے مقصد کا واضح شعور اور صحیح طریقہ کار کا تعین بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک اہم تحریکی موضوع کی تکمیل کرتی ہیں۔
5. مضامین کے اعتبار سے سورۃ الجمعۃ[62] کی آیات کا تجزیہ اِس طرح ہے:

- آیات 1-4: اجتماعِ جمعہ کی حکمت- قرآنِ حکیم کا پڑھنا/پڑھانا اور اس کی اہمیت
- آیات 5-8: تورات سے متعلق ذمہ داریوں سے یہود کا اعراض اور اس کی وجہ
- آیات 9-11: احکامات و آدابِ جمعہ

6. قرآنِ حکیم کی ہر سورۃ کا ایک خاص مرکزی مضمون ہوتا ہے جو اس سورۃ کا عمود کہلاتا ہے۔ سورۃ کی ہر آیت عمود سے معنوی ربط رکھتی ہے۔ ہر آیت اپنی جگہ اللہ کے علم و حکمت کا خزانہ ہے لیکن جب اِسے ایک سلسلۂ کلام کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے اور اِس کا ربط مرکزی مضمون

سے قائم کیا جاتا ہے تو حکمت و معرفت کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۃ الجمعۃ[62] کا عمود ہے "غلبہ دین کے لیے نبی اکرم ﷺ کا اساسی طریقہ کار" جو کہ آیت 2 میں بیان ہوا ہے۔

آیات پر غور و فکر

آیات 1 تا 4

اجتماعِ جمعہ کی حکمت - قرآنِ حکیم کا پڑھنا/ پڑھانا اور اس کی اہمیت

اجتماعِ جمعہ کی اصل حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے ہفتہ میں ایک دن اپنے اوقات فارغ کر کے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایک جگہ جمع ہوں اور اُن کو قرآنِ حکیم کے ذریعہ نصیحت کی جائے۔ ہفتہ بھر میں دنیاداری کی وجہ سے قلوب پر دنیا کی محبت کا جو زنگ آ جاتا ہے، تذکیر بالقرآن کے ذریعے اُسے صاف کر دیا جائے اور پھر سے اللہ کے احکامات اور آخرت کی تیاری کی یاد دہانی کرا دی جائے۔

آیت 1:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ... پاکی بیان کرتی ہے اور کرے گی اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ... الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ ... جو کہ بادشاہ، پاکیزہ ذات، زبردست، حکمت والا ہے۔

- سَبَّحَ ۔ يُسَبِّحُ کے لغوی معنی ہیں تیرانا یعنی کسی شے کو اِس کے اصل مقام پر برقرار رکھنا اور اصطلاحی معنی ہیں پاکی بیان کرنا۔ تسبیح باری تعالیٰ سے مراد اِس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ اللہ ہر کمی، ہر عیب، ہر نقص، ہر احتیاج اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔
- لفظ "مَا" کے استعمال سے "کل مکان" (Space) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اِسی طرح ان مدنی سورتوں میں تین بار ماضی کا صیغہ سَبَّحَ (سورۃ الحدید[57]-سورۃ الحشر[59]-سورۃ الصف[61] کے آغاز میں) اور تین ہی بار مضارع کا صیغہ يُسَبِّحُ (سورۃ الجمعۃ[62] و سورۃ التغابن[64] کے آغاز اور سورۃ الحشر[59] کے آخر میں) استعمال کر کے "کل زمان" (Time) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ گویا ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور یہ تسبیح ہر جگہ اور ہر وقت جاری ہے۔

- کائنات کی ہر شے زبانِ حال سے اپنے خالق کی صناعی اور کمالِ تخلیق کا اعلان تو کر ہی رہی ہے لیکن اُسے اللہ نے قوتِ گویائی بھی دی ہے جس سے وہ تسبیح حالی کے ساتھ ساتھ تسبیح قولی بھی کر رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ (بنی اسرائیل 17:44)

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے"۔

- اِس آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی چار صفات ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی الملک (بادشاہِ حقیقی)، القدوس (پاکیزہ ہستی)، العزیز (زبردست) اور الحکیم (کمالِ حکمت رکھنے والا)۔ ان چاروں صفات کا حسین ربط ہے نبی کریم ﷺ کی اُن چار شانوں سے جو اگلی آیت میں بیان ہوئی ہیں یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیمِ کتاب اور تعلیم حکمت۔ گویا:

i. اللہ بادشاہِ حقیقی ہے اور نبی کریم ﷺ اُس کی آیات (فرامین) لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

ii. اللہ پاکیزہ ہستی ہے اور نبی کریم ﷺ اللہ کے بندوں کو بھی پاکیزہ بنانے کی مبارک سعی فرماتے ہیں۔

iii. اللہ زبردست ہے جو چاہے احکامات صادر فرمائے اور نبی کریم ﷺ اُس کے احکامات لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

iv. اللہ حکیم و دانا ہے اور نبی کریم ﷺ اُس کی عطا کردہ حکمت کی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں۔

آیت 2:

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ... وہی ہے (اللہ) جس نے امیین میں ایک رسول ﷺ کو بھیجا اُنہیں میں سے ... يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ ... جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں ... وَ يُزَكِّيۡهِمۡ ... اور اُن کا تزکیہ کرتے ہیں ... وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ ... اور اُن کو کتاب اور

دانائی سکھاتے ہیں۔۔۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ۔۔۔ اور یقیناً پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

- یہ آیت اِس سورت کا عمود ہے جس میں غلبہ ٔدین کے لیے نبی کریم ﷺ کے اساسی طریقِ کار کو واضح کیا گیا ہے۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے تاریخِ انسانی کا ایک عظیم ترین انقلاب برپا کیا جس کی دو بے مثال شانیں ہیں:

1. آپ ﷺ کا برپا کردہ انقلاب ایک ہمہ گیر انقلاب تھا جس نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اِس انقلاب کے نتیجہ میں ایک طرف لوگوں کے افکار، اقدار، نظریات، عقائد، عبادات اور رسومات میں تبدیلی واقع ہوئی اور دوسری طرف اجتماعی اعتبار سے نظامِ سیاست، معیشت اور معاشرت تبدیل ہوگئے۔ انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کا بظاہر بڑا شہرہ ہے لیکن انقلابِ فرانس کے ذریعہ صرف نظامِ حکومت بدلا اور انقلابِ روس کے ذریعہ صرف نظامِ معیشت میں تبدیلی واقع ہوئی۔
2. نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ہی Life span اور 21 برس کے مختصر عرصے میں انقلاب برپا کردیا جس کی اور کوئی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں۔
3. مندرجہ بالا دو نکات اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ انقلاب کے طریقہ کار اور مراحل کو جاننے کا واحد ذریعہ صرف اور صرف سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعہ ہمیں انقلاب کے مندرجہ ذیل چھ مراحل سمجھ میں آتے ہیں:

i. دعوت (Preaching) یعنی کسی انقلابی نظریہ کی نشرواشاعت جو اجتماعی نظام کے سیاسی، معاشی یا معاشرتی پہلو میں سے کسی ایک کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔

ii. تنظیم (Organization) یعنی دعوت قبول کرنے والوں کو منظّم کر کے ایک انقلابی پارٹی بنانا۔

iii. تربیت (Training) یعنی منظّم ہونے والوں کی انقلاب کی نوعیت کے اعتبار سے تربیت کرنا۔

iv. صبرِ محض (Passive Resistance) یعنی مناسب قوت کی فراہمی تک ہر طنزو

تشدد کے مقابلہ میں جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔

v. اقدام (Active Resistance) یعنی مناسب قوت و اسباب فراہم ہوتے ہی نظامِ باطل کی کسی دُکھتی رگ کو چھیڑنا۔

vi. مسلح تصادم (Armed Conflict) یعنی اقدام کے نتیجہ میں نظامِ باطل کی طرف سے پیش آنے والے ردعمل کا پامردی سے مقابلہ کرنا۔

انقلاب برپا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار مندرجہ بالا مراحل پر مشتمل تھا جن کے دوران انقلابی عمل کی رفتار اس قدر تیز دکھائی دیتی ہے کہ نگاہیں عام طور پر تصادم و قتال کے مراحل پر ہی مرکوز ہو جاتی ہیں اور اِس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما وہ بنیادی طریقہ کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ افراد کی وہ جماعت فراہم ہوئی جس نے مندرجہ بالا مراحل میں جان و مال کی قربانیاں دے کر بالفعل انقلاب برپا کیا؟ اِس بنیادی طریق کار کو سورۃ الجمعۃ[62] کی آیت 2 میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

یہ بنیادی طریقِ کار ہی تھا کہ جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے وہ رجالِ کار تیار کیے جنہوں نے بے مثال قربانیاں دے کر اقامتِ دین کی منزل سر کی اور جن کے بارے میں قرآن نے کہا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب[33]:23)

"مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

- اِس آیت میں نازل شدہ مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ اِسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں چار بار یکساں اصطلاحات کے ساتھ بیان فرمایا:

1. سورۃ البقرۃ[2] آیت 129 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا اِس طرح سے نقل کی گئی:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

"اے ہمارے رب تو بھیج اُن میں (یعنی ہماری اولاد میں) ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں میں سے جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے، کتاب اور دانائی سکھائے اور اُن کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے"۔

مولانا الطاف حسین حالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حوالے سے کیا خوب کہا:

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نوید مسیحا

2. سورۃ البقرۃ[2] آیت 151 میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا دعا کی قبولیت کا اعلان فرمادیا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

"جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تمہیں میں سے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے"۔

3. سورۃ آلِ عمران[3] آیت 164 میں اللہ نے مومنوں پر اپنے ایک احسان کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

"اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے جبکہ اُن کے درمیان ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا اُنہی میں سے جو اُنہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اُن کا تزکیہ کرتے ہیں

اور اُن کو کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے"۔

4. سورة الجمعة[62] کی آیت 2 میں "مرکزی مضمون" کی حیثیت سے لا کر اِس مضمون کی اہمیت دوچند کر دی گئی ہے۔

آیت پر غور و فکر:

- هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ میں هُوَ الَّذِیْ سے مراد ہے اللہ یعنی وہ ہستی جس کی تسبیح کر رہی ہے کائنات کی ہر شے اور جو کہ بادشاہِ حقیقی، پاکیزگی کا سرچشمہ، زبردست اور کمالِ حکمت والی ہے۔ اس ہستی نے بھیجا نبی کریم ﷺ کو۔
- الْاُمِّیّٖنَ جمع ہے اُمِّیٌّ کی۔ اس کا مفہوم ہے بطنِ مادر سے برآمد ہونے والا۔ یہ لفظ ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ جیسے سورة البقرة[2] آیت 78 میں کہا گیا:

مِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ

"ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے"۔

اصطلاحی طور پر یہ لفظ قرآنِ حکیم میں اہلِ کتاب کے مقابلہ میں قریش کے لیے آیا ہے کیوں کہ قریش اللہ کی عطا کردہ کتاب اور شریعت کے علوم سے ناواقف تھے:

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ (آلِ عمران[3]:20)

"اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے اہلِ کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ (یعنی اللہ کے فرمانبردار بنتے ہو؟)"۔

یہود بھی طنزاً غیر یہود کو اُمیین کہا کرتے تھے:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ (آلِ عمران[3]:75)

"اور اہلِ کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (مال کا) ڈھیر رکھ دو تو تم کو (فوراً) واپس دے دے اور کوئی اِس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت

رکھو تو جب تک اُس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں نہیں لوٹائے گا۔ یہ اِس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیین کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہو گا، وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جبکہ وہ جانتے ہیں"۔

اللہ نے یہود کے اِس غرور کا سر توڑنے کے لیے فرمایا کہ ہم نے اُمیین ہی میں سے ایسے رسول ﷺ کو اٹھایا ہے جو اب پوری نوعِ انسانی کو احکاماتِ الٰہی اور اعلیٰ ترین اقدار کی تعلیم دیں گے۔

- مِّنْهُمْ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قریش میں سے تھے اور یہ سعادت قریش اور نوعِ انسانی کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل[17] آیت 95 میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمین پر فرشتے بس رہے ہوتے تو ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔
- يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ لوگوں پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی ہوتے ہیں نشانی۔ اِس کے ذریعہ سے انسان کے قلب میں موجود ایمان تازہ اور شعور کی سطح پر اجاگر ہو جاتا ہے۔ مکی دور میں قرآنِ حکیم میں ایسی آیات نازل ہوئیں جن کے ذریعہ اصحابِ خیر کے دل نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔ وہ شرک، الحاد اور مادہ پرستی سے تائب ہو گئے۔ توحید اُن میں سرایت کر گئی۔ دنیا کی حقیقت اُن کے لیے مچھر کے پر سے بھی کم ہو گئی۔ فکر آخرت اُن پر طاری ہو گئی۔ رسالت کو وہ نوعِ انسانی کے لیے ایک عظیم رحمت سمجھنے لگے۔
- وَيُزَكِّيْهِمْ کے معنی ہیں آپ ﷺ ایمان لانے والوں کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی اُن کے قلوب و اذہان کو غلط نظریات اور نفسانی امراض سے پاک کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے آیاتِ قرآنیہ، اپنے فقر و غنا اور ارشادات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں سے دنیا کی محبت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا۔ تمام باطنی بیماریاں (مثلاً مال و دولت کی ہوس، شہرت کی طلب، ذاتی اقتدار کی خواہش، حسد، کینہ، بغض، تکبر، بے قابو جنسی جذبات وغیرہ) اسی دنیا کی محبت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا أَصْلُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ[1]

"دنیا کی محبت ہر خطا کی بنیاد ہے"۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام دنیوی خواہشات سے دور کر کے خالصتاً طالبِ عقبیٰ بنا دیا۔

- تعلیم کتاب میں کتاب سے مراد پورا قرآنِ حکیم بھی ہے اور اس کا ایک مفہوم حکم بھی ہے۔ یہاں اس سے مراد قرآنِ حکیم نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس سے قبل يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ میں قرآنِ حکیم کے پڑھنے پڑھانے کا ذکر ہو چکا۔ یہاں کتاب سے مراد حکم ہے جسے سورۃ البقرۃ[2] آیت 235 میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ

"اور نکاح کی گرہ نہ باندھو یہاں تک کہ عدت کا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے"۔

قرآنِ حکیم میں جب اللہ کی طرف سے احکامات آتے ہیں تو اِس کے لیے كُتِبَ کا لفظ آتا ہے جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وغیرہ۔ گویا نبی کریم ﷺ کی تیسری شان یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں تک اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکامات پہنچاتے اور اُن پر عمل کرنا سکھاتے ہیں۔

- تعلیم حکمت سے مراد ہے مختلف امور کی حکمت سے آگاہ کرنا۔ حکمت کے معنی ہیں دانائی۔ اصطلاحی طور پر حکمت اُس بصیرتِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اشیاء کی حقیقت کو دیکھا جاتا ہے۔ اِس بصیرت سے جب انسان شریعت کے اسرار و رموز سمجھ لیتا ہے تو اُسے احکاماتِ شریعت بوجھ نہیں بلکہ نعمت معلوم ہوتے ہیں۔ حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّهٖ (ہر شے کو اُس کے اصل مقام پر رکھنا)۔ یعنی اِس کے ذریعہ سے انسان ہر عمل کی غرض و غایت بھی سمجھ جاتا ہے اور دین میں اُس عمل کے اصل مقام اور مرتبہ کا تعین بھی کر لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کے عطا کردہ احکامات کی غرض و غایت اور اُن کے مقام و مرتبہ سے بھی آگاہ فرمایا جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف احکامات پر

---

(1) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب التاسع والثلاثون من شعب الإيمان، باب فصل فيما يقول العاطس في جواب التشميت، 10069، عن سفيان بن سعيد رضي الله عنه

انشراحِ صدر حاصل ہوا اور اُنہوں نے خوشدلی سے اِن احکامات پر اُن کے مقام کی اہمیت کے مطابق عمل شروع کر دیا۔

اہم نکتہ:

اِس آیت میں نبی کریم ﷺ کی چار شانیں بیان ہوئیں یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔ نبی کریم ﷺ نے اِن چار امور کے ذریعہ وہ افراد تیار کیے جنہوں نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے تن من دھن لگایا۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ چاروں امور قرآنِ حکیم کے ذریعہ انجام دیئے یعنی آپ ﷺ کا آلۂ انقلاب ہے قرآنِ حکیم۔ آیئے ان میں سے ہر معاملہ کا قرآن سے تعلق سمجھتے ہیں:

1. **تلاوتِ آیات** بذاتِ خود واضح ہے کہ یہ عمل قرآن ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ قرآن ہی "اَلْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ" ہے جس سے غافلین کے دل نرم ہوئے اور وہ آپ ﷺ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن نے نہ صرف دلوں کو نرم کیا بلکہ اپنی پُر تاثیر نداؤں سے لوگوں کو حق کی نشر و اشاعت اور غلبہ کے لیے متحرک وفعال کر دیا، بقول الطاف حسین حالی:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

نبی کریم ﷺ کے خطبات تاریخِ سیرت میں بہت کم ملتے ہیں۔ آپ ﷺ ہر موقع پر قرآن ہی کے ذریعہ وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو قرآنِ حکیم میں اِسی کی تلقین فرمائی کہ:

- **تبلیغ کیجیے قرآن سے:**

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ 5:67)

"اے پیغمبر ﷺ! پہنچا دیجیے جو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا آپ ﷺ کے رب کی طرف سے"۔

- **نصیحت کیجیے قرآن سے:**

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ (ق 50:45)

"(اے نبی ﷺ) قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے"۔

- **بشارت دیجیے قرآن سے، انذار کیجیے قرآن سے:**

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم 19:97)

"تو (اے نبی ﷺ) ہم نے اِس (قرآن) کو آپ ﷺ کی زبان میں (اتار کر) آسان کر دیا ہے تا کہ آپ ﷺ اِس کے ذریعہ متقیوں کو خوشخبری دیں اور جھگڑالو لوگوں کو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبر دار کر دیں"۔

- **جہاد کیجیے قرآن سے:**

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان 25:52)

"اور (اے نبی ﷺ!) اِن سے جہاد کیجیے اِس (قرآن) کے ذریعہ سے، بڑا جہاد"۔

2. آپ ﷺ نے قرآن ہی کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ کیا کیونکہ قرآنِ حکیم ہی "شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" (یونس 10:57) یعنی باطنی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ قرآن جب کسی کے وجود میں اتر جاتا ہے تو اس کی سوچ، فکر، اقدار اور کردار کو بدل کر رکھ دیتا ہے:

چوں بجا در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

نبی کریم ﷺ خود بھی تہجد میں رات کو کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر تلاوتِ کلامِ پاک فرماتے تھے اور اسی کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی تھا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (المزمل 73:20)

"بے شک اے نبی ﷺ آپ ﷺ کا رب جانتا ہے کہ آپ ﷺ قیام کرتے ہیں دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات اور آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت"۔

رات کو اٹھنا اور بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہونا نفس کی ریاضت کے لیے بہت مؤثر ہے:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (المزمل 73:6)

"کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا نفس کو سخت پامال کرتا ہے اور اُس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے"۔

پھر ترتیل کے ساتھ تلاوتِ قرآنِ حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا، بقول مولانا الطاف حسین حالی:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

کشتنِ ابلیس کارِ مشکل است
زاں کہ اُو گم اندر اعماقِ دلست
خوشتراں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرانش کنی

"شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا ایک نہایت مشکل کام ہے' اس لیے کہ اس کا بسیرا نفس انسانی کی گہرائیوں میں ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اسے قرآنِ حکیم (حکمت و ہدایت) کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنالیا جائے"۔

ہمارے مذہبی حلقوں میں تزکیۂ نفس کی اہمیت اگر باقی ہے تو صرف صوفیاء کے ہاں لیکن وہاں بھی اس کے لیے اکثر و بیشتر، کچھ اور ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں اور قرآنِ حکیم کو اِس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ :

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

"اونی لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے۔ اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں۔

تعلیم کتاب سے مراد ہے احکامات سکھانا۔ یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی طور پر قرآنِ

حکیم کے ذریعہ انجام دیا۔ مکی دور میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا موضوع تھا ایمان اور اخلاقی ہدایات۔ اِن کے ذریعہ سے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ ہو گیا تو اب اُن کے اندر آخرت کی جواب دہی کے احساس کے تحت عمل کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے مختلف امور کے بارے میں دریافت کرنے لگے جیسے یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ "اے نبی ﷺ وہ آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں" (البقرۃ2: 219) یَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ "اے نبی ﷺ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کتنا انفاق کریں" (البقرۃ2: 219)، یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى "اے نبی ﷺ وہ آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں" (البقرۃ2: 220) وغیرہ۔ اب مدنی قرآن میں احکاماتِ شریعت آنا شروع ہوئے جن کی وضاحت آپ ﷺ نے اپنے ارشادات اور سنت کے ذریعہ کی۔

4. نبی کریم ﷺ نے حکمت کی تعلیم کے لیے بھی قرآن کو ذریعہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں حکمت بھی نازل فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل17: 39)

"(اے نبی ﷺ) یہ ہے اُس (ہدایت) میں سے جو آپ ﷺ کے رب نے حکمت میں سے آپ کی طرف وحی کی ہے"۔

قرآن ہی میں اللہ نے فکری و عملی امور کی حکمت بھی بیان فرمادی ہے جیسے روزے کی عبادت کا مقصد ہے حصولِ تقویٰ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرۃ2: 183)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو"۔

نماز کی عبادت کی غرض وغایت ہے ذکرِ باری تعالیٰ وغیرہ:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ (طٰہٰ20: 14)

"نماز قائم کرو میری یاد کے لیے"۔

نبی کریم ﷺ کا بنیادی طریقۂ کار:

- اس آیت کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے انقلابی عمل میں قربانیاں دینے کے لیے افراد کی تیاری کس طرح کی۔ آپ ﷺ نے قرآن کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ فرمایا۔ اُن میں جو متوجہ ہوگئے آپ ﷺ نے قرآن ہی کے ذریعے اُن کے افکار کی تطہیر کی اور اُن کے قلوب کا تزکیہ کیا۔ اب جب اذہان شکوک و شبہات، مادہ پرستی، الحاد اور شرک سے پاک ہوگئے اور قلوب سے دنیا کی محبت نکل گئی تو پھر اُن کو احکامات کی تعلیم دی۔ بالکل اِسی طرح جیسے بیج ڈالنے سے قبل زمین کو تیار کیا جاتا ہے۔ اِس تدریج کی وجہ سے بڑے سے بڑے احکامات پر بھی عمل آسان ہوگیا۔ ایک ہی حکم پر لوگوں نے شراب نوشی کی برسہا برس کی عادت کو چھوڑ دیا، سود خوری سے تائب ہوگئے، ستر و حجاب کے احکامات پر عمل شروع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے جب اِن احکامات کی حکمت سے آگاہ فرمایا تو اب انشراحِ صدر کی وجہ سے عمل میں مزید ذوق و شوق پیدا ہوگیا۔
- کسی بھی انسان کی اصلاح کا یہ طریقہ ہی فطری ہے کہ کسی حکم پر عمل کی تلقین سے پہلے اُس کی ذہن سازی اور قلب کی صفائی کی جائے۔ اُس کے قلب و ذہن سے غلط افکار، الحاد اور مادہ پرستی کو نکال کر اُنہیں نورِ ایمان سے منور کیا جائے۔ اب عمل کا معاملہ آسان ہوجائے گا اور اِس کے لیے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہ ہوگی۔
- جس طرح ایک فرد میں تبدیلی کے لیے پہلے اُس کے ذہن کو بدلنا ہوتا ہے، اِسی طرح ایک معاشرے میں تبدیلی کے لیے بھی اُس کے ذہین عناصر کے فکر و نظر کو بدلنا اولین اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہر معاشرے میں ایک ذہین اقلیت ہوتی ہے جو معاشرے کا Brain trust کہلاتی ہے۔ جس طرح دماغ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے اِسی طرح یہ اقلیت بھی پورے معاشرے کو ایک فکر دیتی ہے اور معاشرہ اُس کی پیروی کرتا ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں انقلاب برپا کرنا پیشِ نظر ہے تو دعوت اُس سطح کی حکمت اور دلائل پر مبنی ہونی چاہیے جو معاشرہ کے اُن عناصر کو متاثر کردے جو ازخود معاشرے میں قائدانہ کردار (Leading role) ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اُن کے فکر و نظر کی تبدیلی کو انقلاب برپا کرنے کے لیے کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

- آج ہم بھی اگر اپنے معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں بھی قریہ قریہ اور بستی بستی قرآنِ حکیم کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا ہو گا، اِنہی کے ذریعہ قریب آنے والوں کا تزکیہ اور پھر اُن کے عمل کی اصلاح کرنا ہو گی۔ البتہ حکمتِ قرآنی کو اِس طرح سے سیکھنا اور عام کرنا ہو گا کہ معاشرے کو چلانے والے ذہین عناصر کو متاثر کر کے اُن کے افکار و نظریات اور کردار کو بدلا جا سکے۔ عوام الناس اُن کی پیروی میں اِس تبدیلی کو قبول کر لیں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل قریش کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی آمد سے قبل قریش ہی نہیں پوری نوعِ انسانی شرک، مادہ پرستی، غفلت اور گناہوں کے مہیب اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ قرآنِ حکیم کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لے آئے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الحدید57:9)

"وہی تو ہے (اللہ) جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تا کہ وہ تمہیں نکالے اندھیروں سے روشنی کی طرف"۔

آج بھی ہر وہ فلسفہ، نظریہ، علم اور قانون جو قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو، سراسر گمراہی ہے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوشنما معلوم ہو۔

آیت 3:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ... اور کچھ دوسرے بھی ہیں جو ابھی اِن (امیین) کے ساتھ شامل نہیں ہوئے ... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ... اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

- نبی کریم ﷺ کی بعثت کے دو رخ ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثتِ خصوصی ہے اہلِ عرب کے لیے جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا اور جن کو اُمّیین کہا گیا اور آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی ہے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے جن کو آخرین کہا گیا۔ آخرین کے بارے میں وضاحت ایک حدیثِ مبارکہ میں اس طرح بیان کی گئی:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ {وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ

حَتّٰی سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِینَا سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ وَضَعَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یَدَہٗ عَلٰی سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ کَانَ الْإِیمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ (1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ الجمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ (آخرین) کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ تین مرتبہ پوچھا اور ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھا پھر فرمایا کہ "اگر ایمان ثریا پر بھی ہو گا تو اِن کی قوم یا اُس کا کوئی فرد اُس تک جا پہنچے گا"۔

- اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ سے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اُمّیین کے ساتھ آخرین بھی شامل ہیں اور اِن دونوں سے مل کر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں آئی ہے۔ اِس امت میں بنی اسماعیل کی حیثیت ایک مرکز (Necleus) کی ہے جن کی تربیت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، پھر اِنہی کے ذریعے دیگر اقوام بھی اس اُمت میں شامل ہوتی گئیں۔

آیت 4:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ ... وہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے ... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ... اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

- اللہ کا سب سے بڑا فضل ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر:

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل 17:87)

"کچھ شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس کا بڑا فضل ہے"۔

اِسی کا مظہر ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف آخری رسول بلکہ سید الانبیاء و المرسلین کا مقام دیا، قرآن جیسا عظیم معجزہ عطا کیا اور دینِ اسلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(المائدۃ 5:3)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور

(1) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہٗ {وَآخَرِینَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِھِمْ}، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل فارس ... عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ

تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا"۔

پھر یہ اعزاز ہے قریش اور اہلِ عرب کے لیے کہ نبی کریم ﷺ اُن ہی میں سے تھے، اُن ہی کی زبان میں قرآن وارشاداتِ نبوی ﷺ کا خزانہ ہے۔ اِس کے بعد یہ فضل ہے امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر کہ اللہ نے اُنہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے اور اُن کے توسط سے قرآن جیسی کتابِ ہدایت سے استفادہ کی توفیق دے کر ہمیشہ کی نعمتوں کے حصول کی راہ کھول دی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ!

- یہ اللہ کے فضل ہی کا ظہور ہے کہ اللہ نے امتِ محمدیہ ﷺ کو خیر امت قرار دیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اِس امت کے سپرد کر دیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران 3:110)

"تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اِس فریضہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے قرآنِ حکیم۔ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود بھی قرآن ہی کے ذریعہ تبلیغ، تزکیہ اور اصلاح کا کام کیا اور ہمیں بھی اِس کی تلقین فرمائی:

يَآ اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَ تَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا(۱)

"اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اِس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اِس کی تلاوت کا حق ہے، اور اِس کو پھیلاؤ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اِس میں غور و فکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اِس کا فوری اجر لینے کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کا عظیم ثواب ملنے والا ہے"۔

(۱) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب فصل في إدمان تلاوة القرآن، باب يا أهل القرآن، لا توسدوا القرآن، 1951، عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِي رضی اللہ عنہ

- آپ ﷺ نے قرآن کی تبلیغ کے حوالے سے ہمارے لیے سہولت کا سامان اِس ارشاد کے ذریعہ فرمایا کہ:

بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (۱)

"میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت"

آخری خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ (۲)

"تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جارہا ہوں کہ جب تک اِس سے چمٹے رہے کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی اللہ کی کتاب (قرآنِ حکیم)"۔

قرآن سے چمٹنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس کتاب کے حسبِ ذیل حقوق ادا کریں:

1. قرآنِ حکیم پر ایمان لانا
2. قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا
3. قرآنِ حکیم کو سمجھنا
4. قرآنِ حکیم پر عمل کرنا
5. قرآنِ حکیم کی تعلیمات دوسروں تک پہنچانا

ہماری دنیا میں عزت وذلت کا انحصار اِن حقوق کی ادائیگی پر ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ (۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ اِس کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا کرے گا اور اس کتاب کو چھوڑنے کی وجہ سے ذلیل کردے گا"۔

اِسی طرح آخرت میں بھی ہماری نجات کا دارومدار قرآنِ حکیم کے حوالے سے ذمہ داریوں کی انجام دہی پر ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح مسلم، کتاب الْحَجِّ، باب حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ

(۳) صحیح مسلم، کتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ

اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ (۱)

"قرآن تمہارے حق میں دلیل ہوگا یا تمہارے خلاف"۔

اللہ ہمیں سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی کتاب کی خدمت کی عظیم سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (۲)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"۔

آیات 5 تا 8

تورات سے متعلق ذمہ داریوں سے یہود کا اعراض اور اِس کی وجہ

آیت 5:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ... مثال اُن لوگوں کی جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی ... ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا ... پھر انہوں نے اُس ذمہ داری کو نہیں نبھایا ... كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ... گدھے کی مثال کی سی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھایا ہو ... بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ... بری ہے مثال اُس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ... اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- مسلمانوں سے قبل یہود کو اللہ نے حاملِ کتاب بنایا اور اُن پر کتاب کے فہم، اُس پر عمل، اُس کی تعلیمات کے نفاذ اور اُس کی تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی۔ بد قسمتی سے انہوں نے اِس ذمہ داری سے اعراض کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ (آل عمران 3:187)

"اور جب اللہ نے اُن لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اِقرار لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا ہے) اُسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اِس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انہوں

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء، عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، عن عثمان رضی اللہ عنہ

نے اِس کو پس پشت ڈال دیا اور لے لی اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت۔ پس بری ہے قیمت جو وہ حاصل کر رہے ہیں"۔

- سورۃ الجمعۃ 62 کی اِس آیت میں یہود کا ذکر ہمارے لیے بطورِ عبرت ہے۔ ایسی قوم کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو حاملِ کتاب ہونے کے باوجود کتاب کی ذمہ داریاں ادا نہ کرے۔ گدھے پر اگر فلسفہ کی کتابیں لاد دی جائیں تو وہ اِس سے فلسفی نہیں بن جاتا۔ اِسی طرح جو قوم کتابِ الٰہی سے استفادہ نہ کرے اِس کی مثال بھی گدھے کی سی ہے۔
- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ کتاب کی تکذیب کرنے والوں کی مثال تو گدھے سے بھی بدتر ہے۔ تکذیبِ کتاب کے دو مفہوم ہیں۔ ایک ہے تکذیبِ قولی یعنی زبان سے کسی کتاب کو کتابِ الٰہی ماننے سے انکار کر دینا۔ دوسری ہے تکذیبِ عملی یعنی زبان سے تو کسی کتاب کو کتابِ الٰہی ماننا لیکن اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا۔ یہود کا جرم تکذیبِ عملی کا تھا۔ اُنھوں نے ہمیشہ تورات کو کتابِ الٰہی تسلیم کیا لیکن اِس کتاب کے احکامات پر عمل کے حوالے سے حیلہ سازی اور پہلو تہی کی۔
- اِس آیت میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا جو کتابِ الٰہی کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔ کتابِ الٰہی سے ملنے والی ہدایت نوعِ انسانی کے لیے دنیا و آخرت میں باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ جو لوگ اِس ہدایت پر عمل نہ کریں اور اِسے دوسروں تک نہ پہنچائیں وہ نوعِ انسانی کے حق میں بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔
- آج ہم مسلمان بھی قرآنِ حکیم کے حوالے سے تکذیبِ عملی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور قرآنِ حکیم کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہود سے مختلف نہیں ہے۔ اِسی کی خبر دی تھی نبی کریم ﷺ نے کہ:

لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ [1]

"میری اُمت پر بھی لازماً وہی حالات آکر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے اُسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے"۔

---

(1) سنن الترمذی، کتاب الإیمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی افتراق ھذہ الأمۃ، عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

- آج قرآن کے حوالے سے ہمارا طرزِ عمل بھی انتہائی افسوسناک ہے۔ ہم نے قرآنِ حکیم کو محض حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور اِس پر عمل، اِس کی تعلیمات کے نفاذ اور اِس کی تبلیغ کی ذمہ داری سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں۔ جدید علوم کے حصول کے لیے ہم عمر کا طویل حصہ اور وافر مال خرچ کرتے ہیں لیکن علومِ قرآنی سیکھنے کے لیے مال اور وقت کے ایثار کے لیے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا میں بھی رسوائی سے دوچار ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اور اگر ہم نے توبہ نہ کی اور قرآن کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کیں تو آخرت میں بھی شدید خسارے کا اندیشہ ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ (طٰہٰ 20:124-126)

"جس نے میرے ذکر (قرآن) سے اعراض کیا پس اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم روزِ قیامت اسے اندھا کھڑا کریں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے کیوں اندھا کر دیا جبکہ میں (دنیا میں) دیکھتا تھا۔ اللہ فرمائیں گے، اسی طرح میری آیات تیرے پاس آئی تھیں تو تو نے اُنہیں نظر انداز کر دیا تھا، اِسی طرح آج ہم تجھے نظر انداز کر دیں گے"۔

آیت 6-7:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا ... (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے وہ لوگو جو یہودی ہوئے ... اِنْ زَعَمْتُمْ ... اگر تم دعویٰ کرتے ہو ... اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ ... کہ تم اللہ کے دوست ہو دیگر لوگوں کے سوا ... فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ... تو آرزو کرو موت کی ... اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ ... اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو ... وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ ... اور وہ ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی بسبب اُن اعمال کے جو انہوں نے آگے بھیج رکھے ہیں ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ ... اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

- اِس آیت میں بتایا گیا کہ کتابِ الٰہی کے حوالہ سے ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی وجہ وہ باطل خیال اور زعم ہے جو کسی نبی کی امت میں پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور ہم تو جہنم سے بچا ہی لیے جائیں گے۔ یہود اور عیسائی دعویٰ کرتے تھے کہ:

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ[5]:18)

"ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے بڑے محبوب ہیں"۔

لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ اِلَّا مَنۡ کَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی (البقرۃ[2]:111)

"جنت میں ہر گز داخل نہ ہو گا مگر صرف یہودی یا عیسائی"۔

لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً (البقرۃ[2]:80)

"ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن"۔

اللہ نے اِس کے جواب میں فرمایا کہ اگر واقعی تم اللہ کے محبوب ہو تو:

فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ (المائدۃ[5]:18)

"اللہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا رہا ہے"۔

آج ہم مسلمانوں کی سوچ بھی یہ ہے کہ:

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں مولا تیرے محبوب کی امت میں ہیں

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزِ قیامت نجات کا انحصار کسی کے ساتھ نسبت پر نہیں بلکہ عمل پر ہو گا۔ قرآنِ حکیم میں بار بار فرمایا گیا: اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ "تم بدلہ میں وہی دیے جاؤ گے جو عمل تم کرتے رہے" (الطور[52]:16، التحریم[66]:7)۔ سورۃ النساء[4] آیات 123-124 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَ لَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾

"نہ تمہاری خواہشات سے کچھ ہو گا اور نہ ہی اہلِ کتاب کی خواہشات سے۔ جس نے برائی

کی وہ اُس کی سزا پائے گا اور اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست یا مدد گار نہ پائے گا۔ اور جس نے اچھا عمل کیا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کے ساتھ تل برابر بھی ناانصافی نہیں کی جائے گی"۔

- اللہ کی قربت کے حوالے سے یہاں ایک معیار انسان کو دیا گیا ہے۔ اگر واقعی وہ اللہ کا محبوب ہے تو دنیا میں کم سے کم جی لگائے اور موت کے تصور سے فرحت محسوس کرے۔ دنیا اُسے ایک قید خانہ محسوس ہو:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (1)

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے"۔

اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انسان کو اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اصلاح کرنی چاہیے۔ یہ مضمون سورۃ البقرۃ[2] آیات 94-96 میں زیادہ موثر انداز میں آیا ہے اور وہاں یہود کے بارے میں فرمایا گیا:

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (البقرۃ[2]:96)

"اور تم ضرور اُن کو پاؤ گے تمام لوگوں میں زندگی کا سب سے زیادہ حریص یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ"۔

لیکن طویل عمر اُنہیں عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے گی:

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ[2]:96)

"مگر اتنی لمبی عمر اُس کو مل بھی جائے تو اُسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو دیکھ رہا ہے"۔

آج امتِ مسلمہ بھی حبِ دنیا کے مرض میں مبتلا اور موت سے انتہائی خائف ہے۔ اِس کی وجہ ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

يُوْشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي

(1) صحیح مسلم، کتاب الزُّھدِ والرَّقائِقِ، عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ

قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ : يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ (۱)

"اندیشہ ہے کہ دیگر اقوام تمہارے خلاف (اقدام کے لیے) ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے کھانے والے لوگ اپنے دستر خوان کی طرف بلاتے ہیں"۔ پوچھا ایک پوچھنے والے نے "کیا اُس روز ہم تعداد میں کم ہوں گے ؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بلکہ تم اُس روز بڑی تعداد میں ہو گے لیکن تم اُس جھاگ کی مانند ہو گے جیسا جھاگ سیلاب کے پانی پر آ جاتا ہے۔ اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا کر دے گا"۔ پوچھا ایک پوچھنے والے نے "اے اللہ کے رسول ﷺ وہن کیا ہے؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "دنیا سے محبت اور موت سے نفرت"۔

آیت 8:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ ... (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے یقیناً وہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو ... فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ... تو بے شک وہ تو تم سے ملنے والی ہے ... ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ... پھر تم لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کی طرف ... فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ... تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ قرآنِ حکیم میں یہ بات تین بار (آل عمران 3:185، الانبیاء 21:35، العنکبوت 29:57) بیان کی گئی کہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

"ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے"۔

موت کا وقت معین ہے اور ملک الموت کو اِس سے آگاہ کر دیا گیا ہے:

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الأمم علی [أهل] الإسلام، عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝ (السجدة 32:11)

"کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) تمہاری جان لے گا موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

اِسی طرح موت کی جگہ بھی طے شدہ ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء 4:78)

"تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو"۔

جب موت کا وقت آ جائے تو اِسے پھر ٹالا نہیں جا سکتا:

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (المنافقون 63:11)

"اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اُس کو جس کی موت آ جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے"۔

موت کے وقت آدمی کے لیے مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اللہ ہر ظاہر اور مخفی بات کا جاننے والا ہے۔ اسے ہمارے تمام اعمال اور نیتوں کا علم ہے اور وہ اسی حوالے سے ہمارا احساب لے گا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا تُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا تُحَاسِبْنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آمین)

آیات 9 تا 11

احکامات و آدابِ جمعہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ

بْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا
نْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ
وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

یلت جمعہ

تبارک وتعالیٰ نے جب سے اِس کائنات کو تخلیق کیا ہے تو اِس کی تقویم سات دنوں پر رکھی ہے۔
سات دنوں میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو سب سے زیادہ مبارک اور سید الایام قرار دیا۔
شادات نبوی ﷺ ہیں:

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ[1]

"اِن دنوں میں سے جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن بہترین دن ہے۔ اسی روز آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اِسی دن اُنہیں جنت میں داخل کیا گیا، اِسی روز وہ جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی"۔

إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيدًا[2]

"بے شک یہ دن (یعنی جمعہ کا دن) اللہ نے اسے عید (کا دن) بنایا ہے"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا[3]

صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ
موطأ مالک، کتاب الطَّهَارَةِ، باب مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ، عَنْ اِبْنِ السَّبَّاقِ رضی اللہ عنہ، سنن ابن ماجه، کتاب إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةِ فِيهَا، باب مَا جَاءَ فِي الزِّينَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، مسند احمد، کتاب بَاقِي مُسْنَدِ الْمُكْثِرِينَ، باب مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، المعجم الكبير للطبرانی، باب قطعة من المفقود، 136
صحیح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ، صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں مسلمان اگر بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ اُسے وہ بھلائی عطا فرما دیتا ہے"۔ اور اپنے ہاتھوں سے اس ساعت کی کمی کی طرف اشارہ کیا۔

جس طرح مادّی نعمتیں ہمیں خاص اوقات میں ملتی ہیں مثلاً درخت پر پھل ایک خاص موسم میں آتا ہے، فصلیں ایک خاص موسم میں پکتی ہیں، اِسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی روحانی نعمتیں دینے کے لیے بھی کچھ اوقات مقرر کیے ہیں۔ مہینوں میں رمضان ہے، دنوں میں جمعہ ہے اور چوبیس گھنٹوں میں رات کا پچھلا پہر ہے۔

جمعہ کا دن ابتدا ہی سے اہمیت کا حامل تھا لیکن بدقسمتی سے یہود نے اِس معاملہ میں اختلاف کیا اور پھر اللہ نے اُن کے لیے جمعہ کے بجائے ہفتہ یعنی سبت کا دن عبادت کے لیے مقرر فرما دیا:

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ (النحل 16:124)

"ہفتہ کا دن (عبادت کی غرض سے) تو اُنہی لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اِس میں اختلاف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب روزِ قیامت اُن معاملات کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے"۔

البتہ اِس حوالے سے ہماری اور یہود کی عبادت میں تین فرق ہیں:

1. یہود کے لیے سبت کے پورے دن کاروبارِ دنیا حرام اور اِس دن کو عبادتِ الٰہی میں بسر کرنا لازم تھا۔ ہمارے لیے صرف جمعہ کی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز کے اختتام تک کاروبارِ دنیوی کی ممانعت ہے۔ یہ وقت ہمیں یادِ الٰہی میں صرف کرنا ہے۔
2. یہود کے ہاں سبت کے دن صرف انفرادی عبادت تھی جبکہ ہمارے لیے ایک اجتماعی عبادت طے کر دی گئی ہے تاکہ سب کے سب لوگ ایک خاص وقت میں شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں، خطبہ سنیں اور نمازِ جمعہ ادا کریں۔
3. اللہ نے اجتماعِ جمعہ میں قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے کو ایک خاص اہمیت کا حامل بنا دیا۔ اجتماعِ جمعہ میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ عام دنوں میں ظہر کی نماز کے چار فرض ادا کیے جاتے

ہیں لیکن جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ نے فرض کی تعداد کم کر کے دو کر دی اور خطبۂ جمعہ کو دو رکعت فرض کے قائم مقام کر دیا اور خطبہ کا اصل مقصد یہ رکھا کہ اللہ کے جو بندے بھی جمع ہوں ان کو قرآنِ حکیم سنایا جائے اور اِس کے ذریعہ اُنہیں اللہ، اُس کے احکامات اور آخرت کی تیاری کی یاد دلائی جائے۔

آیت 9:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ... اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ... إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ ... جب ندا لگائی جائے جمعہ کے دن نماز کے لیے ... فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ... تو تیزی کے ساتھ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف ... وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ ... اور چھوڑ دو لین دین ... ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ... وہ تمہارے حق میں بہتر ہے ... إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ... اگر تم اُس کو سمجھو۔

اذانِ جمعہ

إِذَا نُودِىَ میں ندا سے مراد ہے اذان دینا۔ اِس حوالے سے روایت ہے کہ:

كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ[1]

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمعہ کی پہلی اذان وہ تھی جو امام کے ممبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں بھی اِس پر عمل رہا۔ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو تیسری اذان بڑھائی گئی جو کہ مدینے کے بازاروں میں کہی جاتی تھی (تیسری اذان سے مراد پہلی اذان ہے)"۔

دورِ نبوی ﷺ میں جب آپ ﷺ ممبر پر تشریف فرما ہوتے تھے تو ایک اذان کہی جاتی تھی جو اذانِ اوّل کہلاتی تھی۔ اِس کے بعد آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ خطبہ کے بعد اور نماز سے

(1) صحیح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ... عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رضی اللہ عنہ

قبل جو اِقامت کہی جاتی تھی، اُس کو دوسری اذان کہا جاتا تھا یعنی اِقامت بھی اذان شمار ہوتی تھی۔

خلافتِ راشدہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا گیا کہ جمعہ کے دن ایک اذان ذرا جلدی دے دی جائے تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو کہ آج جمعہ کا دن ہے، وہ اذان سنتے ہی مسجد کی طرف روانہ ہوں اور خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہی مسجد پہنچ جائیں۔ پھر امام صاحب ممبر پر بیٹھیں اور دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اذان دی جائے، خطبہ ہو، اِقامت کہی جائے اور نماز ادا کی جائے۔

گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اور اذان یعنی دو اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اِقامت کو تیسری اذان کہا جانے لگا۔ امت کا اِس پر آج تک عمل اس لیے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ [1]

"تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت"۔

اِس حدیث کی رُو سے جس معاملہ پر خلفائے راشدین کے زمانے میں اجماع ہو گیا اِس پر عمل امت کے لیے لازم ہو گیا۔ یہ ہی وجہ ہے حضرت عثمان کے دور سے آج تک دو اِذانوں اور ایک اِقامت کا سلسلہ قائم ہے۔

اِس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ میں ندا سے مراد پہلی اذان ہے۔ پہلی اذان کے بعد اپنی تمام مصروفیاتِ دنیوی کو ترک کر کے ہمیں مسجد کی طرف روانہ ہونا چاہیے تاکہ خطبہ شروع ہونے سے قبل ہم مسجد میں پہنچ جائیں۔

نمازِ جمعہ کے لیے اوّل وقت حاضری

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کے الفاظ میں تاکید ہے کہ تیزی کے ساتھ جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ فَاسْعَوْا کا حکم واجب کے درجہ میں ہے یعنی جیسے ہی پہلی اذان ہو فوراً اپنے کام چھوڑ دو اور تیزی کے ساتھ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

اَلْجُمُعَةُ عَلٰى كُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ [1]

(۱) سنن الترمذی، کتاب العلم عن رسول الله، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، سنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، سنن ابی داؤد، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة ... عن عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ

"جمعہ کی نماز ہر اُس شخص پر فرض ہے جو جمعہ کی اذان سن لیتا ہے"۔

اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهٖ (۲)

"جمعہ کی نماز اُس شخص پر واجب ہے جو جمعہ کی نماز پڑھ کر رات کو اپنے اہل و عیال میں پہنچ سکے"۔

اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيْضٌ (۳)

"جمعہ لازم ہے ہر مسلمان پر جماعت سے سوائے چار اشخاص کے یعنی غلام، عورت، نابالغ اور مریض"۔ (اگر یہ افراد جمعہ با جماعت ادا کر لیں تو جمعہ ادا ہو جاتا ہے اور نمازِ ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ ایک اور روایت میں مسافر کو بھی جمعہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے)۔

اِس حدیث میں اہم نکتہ یہ ہے کہ جمعہ لازم ہے ہر شخص پر جماعت کے ساتھ یعنی بغیر جماعت کے جمعہ کی نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ البتہ شرعی عذر ہو تو اجتماعِ جمعہ میں حاضری کی رخصت ہے۔ شرعی عذر میں بیماری، مال و جان کا خوف، بارش وغیرہ شامل ہیں۔ اگر کسی کو نمازِ جمعہ کی جماعت نہیں مل سکی تو اُسے اب ظہر کی نماز ادا کرنی ہو گی۔

فَاسْعَوْا کے الفاظ کی روشنی میں ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہم نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے جلد از جلد مسجد پہنچیں اور اوّل اوّل اجتماعِ جمعہ میں شریک ہو جائیں۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ ہیں:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ (۴)

"جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آنے والوں کی حاضری لکھتے ہیں یعنی جو لوگ پہلے آتے ہیں اُنہیں پہلے اور جو بعد میں آتے ہیں اُنہیں بعد میں لکھتے ہیں۔ تو جو شخص دھوپ کے باوجود جمعہ کی نماز کے لیے پہلے گیا اُس کی مثال اُس شخص کی ہے

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من تجب علیہ الجمعۃ ... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْجُمُعَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، باب مَا جَاءَ مِنْ كَمْ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ ... عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ... عَنْ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ

(۴) صحیح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب الِاسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ، صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب فَضْلِ التَّهْجِيْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ... عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے ایک اونٹ پیش کیا اور جو شخص دوسری گھڑی میں آیا اُس کی مثال اُس شخص کی ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے ایک گائے پیش کی پھر جو شخص اِس کے بعد آتا ہے وہ اُس کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے ایک دنبہ پیش کیا پھر جو اِس کے بعد آتا ہے وہ اُس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں مرغی پیش کی اور اِس کے بعد جو آتا ہے وہ اُس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک انڈے کے ذریعے سے صدقہ کیا پھر اِس کے بعد جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں"۔

گویا خطبہ کی اتنی اہمیت ہے کہ جب امام صاحب خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں تو فرشتے بھی اپنے اندراج کے رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور بڑے ادب کے ساتھ خطبہ سنتے ہیں۔ اب جو شخص خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آتا ہے تو اِس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اِس کا جمعہ تو ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ جمعہ کی فضیلت اور برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ کتنی محرومی کی بات ہے کہ تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے ہم نے خود کو جمعہ کی سعادت سے محروم کر لیا اور ہمیں صرف وہی ثواب ملا جو ثواب ظہر کی نماز ادا کرنے کا ہے۔

اب یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر خطبہ سے مراد عربی خطبہ ہے یا اردو خطبہ۔ دورِ نبوی ﷺ میں تو صرف عربی خطبہ ہوتا تھا۔ خطبہ کا مقصد تھا تذکیر بالقرآن یعنی لوگوں کو اللہ، اُس کے احکامات اور آخرت کی یاد دہانی کرانا۔ اُس وقت لوگ عربی زبان سمجھتے تھے لہٰذا عربی کا خطبہ اُن کے لیے کفایت کرتا تھا۔ مسئلہ اُس وقت پیدا ہوا جب کہ اسلام کا دائرہ عجمی علاقوں میں پھیل گیا۔ یہاں کے لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے لہٰذا تذکیر بالقرآن کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر علاقے میں ایک خطبہ مقامی زبان میں دیا جائے جس کے ذریعہ تذکیر بالقرآن کا عمل ہو اور بعد ازاں سنتِ نبوی ﷺ کو برقرار رکھتے ہوئے عربی خطبہ بھی دیا جائے۔ اِس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلی اذان کے بعد کچھ دیر کا وقفہ کیا جائے تاکہ لوگ اذان سنتے ہی مسجد میں آجائیں۔ اِس کے بعد مقامی زبان میں خطبہ ہو، اذانِ ثانی دی جائے، مسنون طریقے سے عربی خطبہ ہو اور اِس کے بعد نماز ادا کی جائے۔ اب اجتماعِ جمعہ کا مقصد یعنی قرآن سے تذکیر کی سعادت اِسی صورت میں

حاصل ہو گی جب ہم مقامی زبان کا خطبہ سنیں۔ لہذا متذکرہ بالا حدیث میں خطبہ کا مصداق مقامی زبان کا خطبہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے ہم جمعہ ادا کریں بڑے اہتمام کے ساتھ یعنی اوّل وقت مسجد پہنچیں اور پورے کا پورا خطبہ سنیں تا کہ اِس سے ہمیں استفادہ حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہو۔

جمعه کے لیے حاضری کے آداب

نبی کریم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں اجتماعِ جمعہ میں شرکت کے آداب سکھائے ہیں:

إِنَّ هٰذَا يَوْمُ عِيدٍ جَعَلَهُ اللهُ لِلْمُسْلِمِينَ فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ (1)

"اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تبارک وتعالیٰ نے (جمعہ کے) اِس دن کو مسلمانوں کی عید قرار دیا۔ پس اِس میں غسل کیا کرو، خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگایا کرو اور مسواک کو بھی ضروری سمجھو"۔

حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طِيبِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِيبٌ (2)

"مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کریں اور خوشبو لگائیں۔ اگر خوشبو نہ ہو تو پانی اُس کے لیے خوشبو ہے"۔ (مراد ہے کہ غسل سے بھی جسم پر سے بو اور میل کچیل دور ہو جاتی ہے)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَا عَلَى أَحَدِكُمْ لَوِ اشْتَرَى ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبِ مِهْنَتِهِ (3)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ "تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے اور روز مرہ کے محنت کے لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لیے مخصوص کر رکھے"۔

(1) سنن ابن ماجة، كتاب إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةِ فِيهَا، باب مَا جَاءَ فِي الزِّينَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

(2) سنن الترمذي، كتاب الْجُمُعَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ وَالطِّيبِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ... عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ

(3) سنن ابن ماجه، كتاب إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةِ فِيهَا، باب مَا جَاءَ فِي الزِّينَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، سنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب اللبس للجمعة ... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ

اجتماعِ جمعہ میں شرکت کے لیے غسل کرنا، عمدہ لباس زیب تن کرنا، تیل لگانا اور خوشبو کا اہتمام کرنا مسنون ہے۔ اجتماعِ جمعہ کے لیے یہ سارا اہتمام اِس لیے ہے کہ خطبہ سننے کے لیے ماحول خوشگوار اور معطر ہو۔ اِس اہتمام سے انسان خود بھی خطبہ سننے کے لیے ذہنی آمادگی اور تازگی محسوس کرے گا اور دوسروں کے لیے بھی فرحت بخش فضا فراہم کرے گا۔

نمازِ جمعہ میں غیر حاضری پر وعید

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے اپنے لکڑی کے ممبر پر بیٹھے ہوئے یہ ارشاد فرماتے سنا کہ "لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑنے سے باز رہیں یعنی جمعہ کے دن نماز کو نہ چھوڑیں ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور پھر اُن کا شمار غافلوں میں ہو جائے گا"۔

مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ (۲)

"جس نے سستی کی وجہ سے تین جمعہ چھوڑ دیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا"۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ (۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کی نسبت جو نمازِ جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے فرمایا کہ "میں نے ارادہ کیا کہ میں ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور پھر اُن لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو نمازِ جمعہ کے لیے نہیں آتے"۔

مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يُمْحَى وَلَا يُبَدَّلُ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ ... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہما

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْجُمُعَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، سنن ابن ماجہ، کتاب إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةِ فِيهَا، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ ... عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ رضی اللہ عنہ

(۳) صحیح مسلم، کتاب الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، باب فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَبَيَانِ التَّشْدِيدِ فِي التَّخَلُّفِ عَنْهَا

(۴) مسند الشافعی، کتاب ومن کتاب إيجاب الجمعة، باب من ترك الجمعة من غير ضرورة ... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما

"جس شخص نے بلا وجہ نمازِ جمعہ کو ترک کر دیا وہ اس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے کہ جس کی تحریر نہ مٹائی جاسکتی ہے اور نہ ہی تبدیل کی جاسکتی ہے"۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں اِس سے محفوظ فرمائے کہ ہم محض سستی کے سبب یا کسی بھی وجہ سے جمعہ کی نماز سے غافل ہو جائیں۔

خطبۂ جمعہ

اِس آیت میں یہ حکم نہیں کہ جاؤ مسجد کی طرف بلکہ حکم یہ ہے کہ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔ گویا یہاں اہمیت اللہ کے ذکر کو دی جا رہی ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ ذکر سے مراد تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار، مسنون دعائیں اور وظائف ہیں۔ بلاشبہ یہ امور بھی ذکر میں داخل ہیں لیکن سب سے بڑا ذکر قرآنِ حکیم ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر15:9)

"ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

یہاں ذکر سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعہ میں قرآن ہی بیان فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں آپ ﷺ کے خطبۂ جمعہ کے بارے میں آتا ہے کہ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ "[1] آپ ﷺ قرآن پڑھتے تھے اور اِس کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے"۔ اِس سے یہ ظاہر ہوا کہ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ میں ذکر سے مراد ہے خطبۂ جمعہ۔ جمعہ کے اجتماع میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ اِس حوالے سے چند اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

- خطبہ کی اتنی اہمیت ہے کہ جمعہ کے دن اللہ نے نمازِ ظہر کی چار رکعات میں دو کی کمی کر کے خطبۂ جمعہ کو دو فرض کے قائم مقام کر دیا۔ اِسی لیے نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے قبل دو خطبے دیتے تھے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ [1]

(1) صحيح مسلم، كتاب الجُمُعَةِ، باب ذِكْرِ الْخُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْجَلْسَةِ ... عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور اُن دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِن خطبوں میں قرآنِ حکیم پڑھتے تھے اور نصیحت کرتے تھے"۔

- متذکرہ بالا حدیث سے رہنمائی ملتی ہے کہ خطبۂ جمعہ کا **اصل مقصد** ہے تذکیر بالقرآن یعنی ہفتہ بھر میں لوگوں کے دلوں پر دنیا کی محبت کا جو زنگ چڑھ جاتا ہے، جمعہ کے دن قرآن کے ذریعہ اُس کو اتار دیا جائے۔

عَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَتْ ...... وَمَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ[1]

حضرت اُم ھشام رضی اللہ عنہا بنت حارثہ بن نعمان سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ......"میں نے سورۂ قٓ ۚ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سیکھی ہے جسے آپ ممبر پر ہر خطبہ میں تلاوت کرتے تھے"۔

خطبۂ جمعہ کے حوالے سے ایک کوتاہی تو ہوتی ہے نمازیوں سے کہ وہ جمعہ کے دن تاخیر سے آتے ہیں اور مقامی زبان کا مکمل خطبہ نہیں سنتے۔ دوسری کوتاہی ہوتی ہے خطیب حضرات سے کہ وہ خطبۂ جمعہ میں ضعیف روایات، قصے کہانیاں، کرامات، فرقہ ورانہ اور سیاسی مسائل پر تو گفتگو کرتے ہیں لیکن قرآنِ حکیم کے مضامین بیان نہیں کرتے۔ اِسی روش پر علامہ اقبال نے مرثیہ کہا کہ:

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند

از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ وَالْخُطْبَةِ

"واعظ ہاتھ بلند کر کر کے قصے کہانیاں سناتا ہے۔ اُس کے الفاظ پر شکوہ لیکن معنی پست ہوتے ہیں۔ اُس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) خطیبِ بغدادی اور امام دیلمی سے ماخوذ ہوتی ہے اور اُس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور مُرسل روایات سے ہوتا ہے"۔

- خطبہ ُجمعہ میں آپ ﷺ پانچ باتوں کا اہتمام فرماتے اللہ تعالیٰ کی حمد، رسالت کی شہادت، لوگوں کو وعظ و نصیحت، آیاتِ قرآنی کے ذریعے تذکیر اور مسلمانوں کے لیے دعا۔
- نبی کریم ﷺ کا خطبہ دینے کا جو انداز تھا وہ بھی روایات میں بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ بڑے انہماک اور ولولہ کے ساتھ خطبہ ارشاد فرماتے تھے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى [1]

حضرت جابر کہتے ہیں "رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، آپ ﷺ سخت غضب ناک ہوتے گویا آپ ﷺ لوگوں کو لشکر سے اِن الفاظ میں ڈرا رہے ہیں کہ دشمن کا لشکر تم کو صبح کے وقت لوٹ لے گا یا تم کو شام کے وقت لوٹ لے گا اور فرماتے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور یہ کہہ کر درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی باہم ملا دیتے (جس کا مطلب یہ ہوتا کہ جس قدر اِن دونوں انگلیوں کے درمیان فرق ہے اتنا ہی فرق مجھ میں اور قیامت میں ہے)"۔

ہر خطیب کو خطبہ پورے جوش و جذبہ کے ساتھ دینا چاہیے تاکہ محسوس ہو کہ بات دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

- خطبہ ُجمعہ کا ایک نمونہ درجِ ذیل ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجُمُعَةِ، باب تخفیف الصَّلاةِ والخُطبةِ

وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

اَمَّا بَعْدُ

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(اب اردو خطاب جمعہ کے موضوع سے متعلق آیات تلاوت کی جائیں)

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَّادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

کل تعریف اللہ کے لیے، کل تعریف اللہ کے لیے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر توکل کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اپنے نفس اور اعمال کی برائیوں سے۔ جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے آقا اور مولیٰ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

جنہیں اللہ نے بھیجا کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کریں اور اللہ کافی ہے بطور مددگار۔

پس اللہ کی ڈھیروں رحمتیں اور سلامتی ہو اُن ﷺ پر۔

اس کے بعد

یقیناً سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور سب سے بہتر تحفہ محمد ﷺ کا دیا ہوا تحفہ (یعنی ہدایت) ہے اور سب سے برا معاملہ دین میں نئی بات کا گھڑنا ہے اور نئی بات بدعت ہے

اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے یا جیسا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اس کے بعد پس میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کی مردود شیطان سے، شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے (اب متعلقہ آیات تلاوت کی جائیں)۔

اللہ ہمارے اور آپ کے لیے برکت فرمائے اس قرآن کے ذریعے اور مجھے اور آپ کو اللہ کی آیات اور ذکرِ حکیم سے نفع عطا فرمائے۔ بے شک وہ اللہ بلند تر، سب سے بڑھ کر سخی، کرم فرمانے والا، بادشاہ، احسان فرمانے والا، شفقت فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

خطبۂ ثانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى اَفْضَلِهِمْ وَخَتَمِ النَّبِيّٖنَ مُحَمَّدِ نِالْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى ابراهيم وَعَلٰى اٰلِ ابراهيم اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى ابراهيم وَعَلٰى اٰلِ ابراهيم اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَقْضٰى هُمْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ

(پھر کچھ مزید احادیث پڑھی اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ دعائیں مانگنے کے بعد پھر آخری الفاظ یہ ہوتے ہیں)

عِبَادَاللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعْظَمُ وَاَهَمُّ وَاَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ

کل تعریف اللہ کے لیے، کل تعریف اللہ کے لیے جو کافی ہے (بندوں کے لیے) اور درود و سلام اللہ کے ان بندوں پر جنہیں اللہ نے چن لیا خاص طور پر ان میں سب سے افضل اور آخری نبی یعنی محمد ﷺ جو امانت دار ہیں اور ان کی آل اور ان کے ساتھیوں اور ان کی بیویوں سب پر۔

اس کے بعد پس میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کی مردود شیطان سے، شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں پس اے ایمان والوں تم بھی اُن ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسا کہ تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر بے شک تو تعریفوں والا، بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! تو برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر بے شک تو تعریفوں والا، بزرگی والا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحم فرمانے والے ابو بکر ہیں، اور اللہ کے احکامات کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں، اور ان میں سب سے زیادہ حیادار عثمان ہیں، اور سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں وعدہ کی پاسداری نہیں۔

(پھر کچھ مزید احادیث پڑھی اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ دعائیں مانگنے کے بعد پھر آخری الفاظ یہ ہوتے ہیں)

اے اللہ کے بندو! اللہ تم پر رحم فرمائے، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا احسان کا اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اور منع کرتا ہے بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اور اُس کو پکارو وہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا، اور اللہ کا ذکر بلند تر، سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ عظمت والا، سب سے زیادہ مکمل اور سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہیں۔

- خطبے کے دوران ادب اور خاموشی سے بیٹھنا اور اِسے توجہ سے سننا ضروری ہے۔ احادیث میں خطبہ سننے کے آداب بھی نقل ہوئے ہیں:

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتَّى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا (۱)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "خطبہ کے وقت حاضر رہو اور امام سے قریب بیٹھا کرو اس لیے کہ آدمی جس قدر نیکیوں سے دور ہوتا ہے اُسی قدر وہ جنت سے پیچھے رہتا ہے، حالانکہ وہ جنت میں داخل ضرور ہوتا ہے لیکن تاخیر سے داخل ہوتا ہے"۔

إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ (۲)

"جس شخص کو جمعہ کے دن خطبہ کے دوران اونگھ آجائے اُس کو چاہیے کہ وہ اپنی جگہ بدل لے"۔

إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ (۳)

"جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اُس وقت اگر تم نے اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے بھی لغو کام کیا"۔

یعنی خطبہ کے دوران خود خاموش رہا جائے اور اگر کوئی اور گفتگو کرے تو اُسے منع بھی نہ کیا جائے، البتہ امام کسی کو منع کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ سن رہے ہوتے تھے تو اِس طرح اپنے سر جھکائے رکھتے تھے گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور اگر کسی نے سر ہلایا تو پرندہ اڑ جائے گا۔

مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ أَنْصِتْ لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ (۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدنو من الإمام عند الموعظة

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْجُمُعَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ نَعَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنَّهُ يَتَحَوَّلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ... عَنْ ابنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

(۳) صحیح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، صحیح مسلم، کتاب الْجُمُعَةِ، باب فِي الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْخُطْبَةِ ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

(۴) مسند احمد، کتاب وَمِنْ مُسْنَدِ بَنِي هَاشِمٍ، باب بِدَايَةُ مُسْنَدِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ ... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

"جو شخص خطبہ کے وقت بات کرے وہ اُس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوتی ہیں اور جو شخص کسی سے کہے کہ خاموش رہ اُس کا بھی جمعہ نہیں ہوتا"۔

جمعہ کے روز کاروبارِ دنیوی کی ممانعت

وَذَرُوا الْبَيْعَ کے حکم کی رُو سے اذانِ جمعہ سے لے کر نمازِ جمعہ کے اختتام تک کاروبار یا دنیاداری کا کوئی کام کرنا حرام ہے۔ اِس حوالہ سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قائم کردہ "دار لعلوم کراچی" کا حسبِ ذیل فتویٰ واضح رہنمائی فراہم کرتا ہے:

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کاروبار وغیرہ کا حکم

جمعہ کے دن ہر ایسے مسلمان عاقل بالغ تندرست مرد پر جو کسی شہر میں ہو جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی نمازِ جمعہ ادا کرنے کا اہتمام واجب ہے۔ اِس کے سوا کسی اور کام میں مشغول ہونا جائز نہیں، جس کی چند صورتیں درجِ ذیل ہیں:

1. جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کسی قسم کا کاروبار، تجارت اور خرید و فروخت جائز نہیں۔ لہٰذا جمعہ کی پہلی اذان پر دکان کو مکمل بند کریں۔ مالکِ دکان اور ملازم سب نمازِ جمعہ ادا کریں۔
2. جمعہ کے دن بعض دکاندار ایسا کرتے ہیں کہ اُن کی دکان کا ایک فرد ایسی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے جہاں جمعہ کی نماز جلدی ہوتی ہے اور وہ آکر دکان پر بیٹھ جاتا ہے، پھر دوسرا شخص دوسری مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے جہاں نمازِ جمعہ دیر سے ہوتی ہے اور دکان برابر کھلی رہتی ہے اور کاروبار جاری رہتا ہے، یہ جائز نہیں۔ ہاں اگر دکان کے تمام افراد کسی ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں نمازِ جمعہ جلدی ہوتی ہے اور پھر آکر دکان کھول لیں تو یہ جائز ہے۔
3. ملازمت سرکاری ہو یا غیر سرکاری، جمعہ کی پہلی اذان کے بعد ملازمت کرنا جائز نہیں۔ اِس کو چھوڑ کر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔ البتہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد ملازمت کرنا جائز ہے۔
4. جمعہ کی پہلی اذان کے بعد اگر کارخانہ یا دکان یا فیکٹری باہر سے بند کر دیں اور اندر مسلمان ملازمین کام کرتے رہیں یہ بھی جائز نہیں۔ سب کو کام چھوڑ کر نمازِ جمعہ ادا کرنا فرض ہے ورنہ سخت گناہ ہو گا۔

5. اگر کسی مسلمان ملازم کو جمعہ کی پہلی اذان کے بعد مالک کام کرنے پر مجبور کرے تو مجبور کرنے والا گناہ گار ہے اور ملازم پر اُس کا کہا ماننا جائز نہیں۔ اگر وہ مجبور کرنے سے باز نہ آئے تو ملازم کو چاہیے کہ اُس کی یہ ناجائز بات نہ مانے بلکہ جمعہ کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

6. جمعہ کی پہلی اذان کے بعد گلی کوچوں اور بازاروں میں محنت مزدوری کرنے والوں اور چل پھر کر مال بیچنے والوں، ریڑھی اور ٹھیلہ لگانے والوں پر بھی واجب ہے کہ کام بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کریں۔

7. اذانِ جمعہ کے بعد کھانا، پینا سونا یا کسی سے باتوں میں مشغول رہنا یہاں تک کہ کسی اخبار یا کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ، غرض یہ کہ ہر وہ کام جو جمعہ کی تیاری کے لیے مانع بنے جائز نہیں۔ صرف جمعہ کی تیاری کے لیے جو کام ہوں وہ کیے جا سکتے ہیں۔

8. اذان جمعہ کے بعد مرد حضرات کو جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے گھر میں نوافل یا ذکر و تلاوت یا کسی اور عبادت میں مشغول رہنا جائز نہیں۔ اُنہیں چاہئے کہ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد میں حاضر ہوں۔ مسجد میں اگر چاہیں اور موقع ہو تو اِن عبادات کو انجام دے سکتے ہیں۔

اجتماعِ جمعہ میں حاضری کی فضیلت

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . . . وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم اس کو سمجھو۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى (۱)

"جو شخص نمازِ جمعہ کے دن نہائے، جس قدر ممکن ہو پاکیزگی حاصل کرے، پھر تیل یا جو خوشبو گھر پر میسر ہو لگائے، پھر گھر سے نماز کو نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان مسجد میں گھس کر نہ بیٹھے (مراد یہ ہے کہ مسجد میں جا کر کسی کو تکلیف نہ دے)، پھر جس قدر نماز اللہ نے اُس پر فرض کی ہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ . . . عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ

پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو بالکل خاموشی کے ساتھ اُسے سنے تو اُس کے وہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں جو اُس نے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کیے ہیں"۔

مسلم شریف کی روایت میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ بخش دیئے جانے کی بشارت ہے۔[1]

آیت 10:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ ... پھر جب نماز ختم ہو جائے ... فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ ... تو زمین میں پھیل جاؤ ... وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ... اور اللہ کے فضل (روزی) میں سے تلاش کرو ... وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ ... اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

نمازِ جمعہ کے بعد کاروبار کی اجازت

- یہود کے ہاں سبت یعنی ہفتہ کے پورے دن عبادت میں مشغول رہنا لازم اور ہر طرح کا دنیوی کام کرنا حرام تھا۔ ہمارے لیے جمعہ کے دن اذانِ جمعہ سے پہلے بھی دنیوی امور انجام دینے کی اجازت ہے اور جمعہ کی نماز کے بعد بھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کے ابتدائی اوقات میں اجتماعِ جمعہ میں جانے کی تیاری کی جائے اور جلد از جلد مسجد پہنچا جائے۔ جب نماز ختم ہو جائے تو پھر دنیوی امور میں شامل ہوا جا سکتا ہے۔
- عربی زبان میں حکم، اجازت، مشورہ یا درخواست کے لیے امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر امر سے مراد حکم نہیں ہوتا۔ فقہاء نے تحقیق کے بعد فیصلہ کیا کہ قرآن و حدیث کا کون سا امر حکم یعنی "امر للوجوب" ہے اور کون سا امر محض اجازت کے درجہ میں ہے۔ فقہاء کا اِس پر اتفاق ہے فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ میں امر کے صیغے حکم کے درجے میں ہیں اور فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ میں امر کے صیغے اجازت کے درجے میں ہیں۔ گویا لازم نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد ضرور ہی کاروبار کیا جائے لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اِس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

---

(1) صحيح مسلم، كتاب الْجُمُعَةِ، باب فَضْلِ مَنِ اسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ فِي الْخُطْبَةِ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

- اِس آیت میں روزی کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ روزی کسی کو اُس کی صلاحیت یا محنت کی مناسبت سے نہیں ملتی۔ یہ خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی دین ہے۔ بعض لوگ بڑے قابل، باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں لیکن اُن کا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ انگوٹھا چھاپ ہوتے ہیں لیکن وہ لاکھوں میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔

امورِ دنیا کے دوران یادِ الٰہی

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں رہنمائی ہے کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا صرف مسجد میں ہی نہیں بلکہ مسجد کے باہر بھی مطلوب ہے۔ ذکر کے معنی ہیں اِسْتِحْضَارُ اللّٰہِ فِی الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کی یاد بسائے رکھنا۔ صوفیاء کا قول ہے "جو دَم غافل سو دَم کافر"۔ ذکر کے ذرائع ہیں قرآنِ حکیم، نماز، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار، مسنون اذکار اور دعائیں۔ مؤثر ترین ذریعہ ذکر ہے قرآنِ حکیم اور جامع ترین ذریعۂ ذکر ہے نماز۔ اِن کے بعد درجہ ہے دیگر اذکارِ مسنونہ کا۔ البتہ اگر کوئی شخص خاموش ہے لیکن اُس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہے تب بھی وہ حالتِ ذکر میں ہے۔ پھر ذکر سے مراد یہ بھی ہے کہ ہم ہر کام کرتے ہوئے اللہ کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو یاد رکھیں، جھوٹ نہ بولیں، کسی کو دھوکہ نہ دیں، اپنے جملہ فرائض دیانت داری سے ادا کریں وغیرہ۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو یاد رکھنا ہی کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا ہے اور اِسی کے ذریعہ ہم فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔

آیت 11:

اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ... جب اُنہوں نے دیکھی کوئی تجارت یا کھیل تماشا ... انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ... تو وہ اُس کی طرف چلے گئے اور اے نبی ﷺ آپ کو کھڑا چھوڑ دیا ... قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ ... اے نبی ﷺ اُن سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے ... خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ... بہتر ہے کھیل تماشے اور تجارت سے ... وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ... اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اِس آیت میں خطبہ کی اہمیت کے حوالے سے دورِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ ابتداء میں عیدین کے معمول کی طرح جمعہ کی نماز پہلے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ بعد میں دیا جاتا تھا[1]۔ ایک بار ایسا ہوا کہ نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ عین اُس وقت گھنٹیاں بجیں جس سے اندازہ ہوا کہ کوئی تجارتی قافلہ مدینے میں داخل ہوا ہے۔ اُس وقت مدینہ میں اشیائے ضرورت کی شدید قلت تھی۔ کچھ لوگ سمجھے کہ اصل اہمیت صرف نماز کی ہے خطبہ کی نہیں۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ نماز تو ہو چکی، لہٰذا قافلہ کی طرف چلو، کہیں تاخیر کی وجہ سے ہم مطلوبہ خریداری سے محروم نہ رہ جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے اور وہ لوگ خطبہ کے دوران اٹھ کر چلے گئے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں متوجہ کیا کہ:

"جب انہوں نے دیکھی کوئی تجارت یا کوئی کھیل تماشا تو وہ اُس کی طرف چلے گئے اور اے نبی ﷺ آپ کو کھڑا چھوڑ دیا"۔

گویا خطبہ کی اہمیت نہیں اور اہمیت تجارت کی ہے۔ آگے تنبیہ کی گئی:

"اے نبی ﷺ اُن سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے کھیل تماشہ اور تجارت سے"۔

یہاں کھیل تماشہ کا ذکر تجارت سے پہلے ہے۔ آج ہماری اکثریت کھیل تماشہ یعنی ٹی وی پروگراموں، کرکٹ میچز یا دیگر لغویات کی وجہ سے اجتماعِ جمعہ میں تاخیر سے آتی ہے یا بالکل ہی محروم رہ جاتی ہے۔ یہاں ترغیب دی گئی کہ تمہارے لیے جو اجر و ثواب اور نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کھیل تماشہ اور تجارت سے۔

جمعہ کی اذانِ اوّل سے لے کر اختتامِ نماز تک تجارت کر کے ہم کیا کمائی کر لیں گے یا کھیل تماشے سے کتنی دیر کی لذت حاصل کر لیں گے۔ البتہ اس دوران اگر ہم مشاغلِ دنیا کو ترک کر کے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسجد پہنچ جائیں اور جملہ آداب کے ساتھ خطبہ سنیں اور نماز ادا کریں تو اللہ ہمارے ہفتہ بھر کے گناہ معاف فرما دے گا اور مزید اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا۔ اِس دنیا میں ہمیں جو کچھ ملے گا وہ اللہ ہی دے گا اور جو نعمتیں وہ آخرت میں دے گا وہ بہتر بھی ہیں اور باقی رہنے والی بھی۔

بلاشبہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ —اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

---

(1) مراسیل أبي داود، کتاب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، باب يصلي الجمعة قبل الخطبة مثل العيدين

اعمال جمعة المبارک

- دجال کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لیے **مکمل** سورۃ الکھف 18 کی تلاوت کا اہتمام کرنا[۱] یا اس کی ابتدائی دس آیات یا اس کی آخری دس آیات[۲] یا ابتدائی تین آیات[۳] کی تلاوت کا اہتمام کرنا۔
- شبِ جمعہ میں سورۃ الدخان 44 کی تلاوت گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے[۴]۔
- صلوٰۃ الفجر کی پہلی رکعت سورۃ السجدۃ 32 اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر 76 پڑھنا سنتِ نبوی ﷺ ہے[۵]۔
- نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا[۶]۔
- جمعہ کے دن ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جس میں مانگی جانے والی دعا قبول کی جاتی ہے[۷]۔

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الفتن والملاحم، باب أما حديث أبي عوانه
(۲) صحيح مسلم، كتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب فَضْلِ سُورَةِ الْكَهْفِ وَآيَةِ الْكُرْسِيِّ
(۳) سنن الترمذی، کتاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ الْكَهْفِ
(۴) سنن الترمذی، کتاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ حم الدُّخَانِ
(۵) صحيح مسلم، كتاب الْجُمُعَةِ، باب مَا يُقْرَأُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ
(۶) سنن النسائی، کتاب الْجُمُعَةِ، باب إِكْثَارُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة
(۷) صحيح البخاری، کتاب الْجُمُعَةِ، باب السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ، صحيح مسلم، كتاب الْجُمُعَةِ، باب فِي السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

حقیقتِ نفاق

موضوع کی اہمیت:

حقیقتِ نفاق کو سمجھنا اس لیے اہم ہے کہ نفاق ایک سنگین جرم ہے جس کی ہلاکت خیزی انتہائی شدید ہے۔ اس ہلاکت خیزی کے مختلف پہلو یہ ہیں:

1. روزِ قیامت شفاعتِ محمدی ﷺ سے محرومی:

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ

(المنافقون 63:6)

"(اے نبی ﷺ) ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیۓ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اللہ ہرگز انہیں معاف نہ فرمائے گا"۔

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ (التوبة 9:80)

"(اے نبی ﷺ) خواہ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ہرگز ان کو معاف نہ فرمائے گا"۔

2. روزِ قیامت حشر کفار کے ساتھ ہوگا:

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِىۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعَا (النساء 4:140)

"بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے"۔

فَالۡيَوۡمَ لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ ؕ هِىَ مَوۡلٰٮكُمۡ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۞ (الحدید 57:15)

"پس آج تم سے (اے منافقو) کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی کفار سے، تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، وہی تمہاری ساتھی ہے، اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے"۔

3. پلِ صراط پر نور سے محرومی:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ (الحدید 57:13)

"جس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ہم پر نظر (شفقت) کرو کہ ہم تمہارے نور میں سے کچھ لے لیں، کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے (دنیا میں) لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کی اندرونی جانب رحمت ہو گی اور بیرونی جانب عذاب ہو گا"۔

4. جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ (النساء 4: 145)

"بے شک منافق جہنم کے نچلے ترین طبقے میں ہوں گے اور تم ان کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے"۔

ایک بہت بڑا مغالطہ:

آج اکثر مسلمانوں کو یہ مغالطہ لاحق ہے کہ منافقین دَورِ نبوی ﷺ کے ایسے لوگ تھے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن اندر خانے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے اکثر مسلمان اپنے بارے میں منافق ہونے کا کوئی امکان محسوس نہیں کرتے۔ اس مغالطے کا نقصان یہ ہے کہ جن آیات اور احادیث میں منافقین کا ذکر ہے، ہم خود کو اُن سے غیر متعلق سمجھ کر گزر جاتے ہیں اور ان کی کچھ بھی تاثیر ہمارے دلوں پر نہیں ہوتی۔ ماہر القادری صاحب قرآن کی فریاد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اِک اِک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

اس حوالے سے حسبِ ذیل روایات پر غور فرمائیے:

1. قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ

إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ [1]

(ایک تابعی) ابن ابی ملیکہ عِشْتُ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی۔ وہ سب کے سب اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ نہ تھا کہ وہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ایمان پر ہوں اور حضرت حسن بصریؒ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مومن ہی نفاق سے خوف زدہ ہوتا ہے اور ایک منافق ہی اس سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

2. قَالَ رَجُلٌ لِعَبْدِ اللهِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُونَ مُنَافِقًا قَالَ لَوْ كُنْتَ مُنَافِقًا مَا خِفْتَ ذٰلِكَ [2]

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اندیشہ محسوس کرتا ہوں کہ میں منافق ہو گیا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم منافق ہوتے تو ایسا اندیشہ نہ رکھتے۔

3. عَنْ حَنْظَلَةَ الْأُسَيِّدِيِّ قَالَ لَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُولُ قَالَ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ فَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ لَوْ تَدُومُونَ عَلٰى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ [3]

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابن ربیع سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے پوچھا اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور وہ ہم سے جنت اور جہنم کا ذکر

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 2، 8799

(۳) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرة والمراقبة وجواز ... عن حنظلة رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے گویا ہم یہ حقائق آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، بیویوں، اولاد اور گھریلو کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اکثر بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ رضی اللہ عنہ منافق ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کیسے؟ میں نے عرض کیا ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہم سے جنت اور جہنم جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے گویا ہم یہ حقائق آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، بیویوں، اولاد اور گھریلو کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اکثر بھول جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اس حالت میں ہمیشہ رہو جس میں میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں مشغول رہو تو یقیناً فرشتے تم سے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ رضی اللہ عنہ یہ کیفیت تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

4. ترمذی شریف میں مسنون دعا نقل ہوئی ہے:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ [1]

"اے اللہ پاک کر دے میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے بے شک تو خوب واقف ہے آنکھوں کی خیانت کرنے والے سے اور جو کچھ سینے چھپائے رکھتے ہیں"۔

نفاق کا مفہوم :

- لغوی اعتبار سے لفظ نفاق کا مادہ ہے ن ف ق۔ نَفَقَ کے معنی ہیں خرچ ہونا۔ اسی مادہ سے لفظ بنتا ہے نَفَقٌ جس کے معنی ہیں سرنگ۔ سرنگ کے دو دہانے ہوتے ہیں۔ نافقہ کہتے ہیں گوہ کو جس کے بل کے دو منہ ہوتے ہیں۔ نفاق کا لغوی مفہوم ہے دوغلا ہونا۔ منافق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دو منہ والا ہو یعنی کسی مقابلہ کے دونوں فریقوں سے اظہارِ وفاداری کرے۔ قرآنِ حکیم میں منافقین کا ذکر یوں کیا گیا:

(۱) الدعوات الکبیر للبیھقی، باب ما یستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (البقرۃ 2:14)

"اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، بلاشبہ ہم تو (مسلمانوں کے ساتھ) مذاق کرتے ہیں"۔

منافقین کی یہی کیفیت سورۃ النساء[4] آیت 141 میں بھی بیان کی گئی ہے:

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"جو تمہارے بارے میں انتظار کرتے ہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں گھیر نہ رکھا تھا اور تم کو مسلمانوں سے بچایا نہ تھا؟"

- اصطلاحی طور پر قرآنِ حکیم نفاق کو ایک مرض قرار دیتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں اسی مرض کو وھن کہا گیا ہے[1]۔ یہ مرض دراصل مال و جان کی محبت کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان بزدل و بخیل ہو جاتا ہے، مال و جان کو بچا بچا کر رکھتا ہے اور انہیں کسی بڑے مقصد کے لیے قربان کرنے سے گریز کرتا ہے۔ الفاظِ قرآنی ہیں:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ 2:10)

"ان کے دلوں میں ایک مرض ہے، پس اللہ نے زیادہ کر دیا ان کے مرض کو"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝ (محمد 47:29-31)

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الأمم علی [أهل] الإسلام، عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ

"کیا جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہرگز ان کے باطنی مرض کو ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ ﷺ کو ایسے لوگ دکھا دیں اور آپ ﷺ اُن کو اُن کے چہروں سے پہچان لیں اور آپ ﷺ ضرور اُن کی گفتگو کے انداز سے اُنہیں پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ اور ہم لازماً تمہاری آزمائش کریں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں تم میں سے جہاد اور صبر کرنے والوں کو اور ہم تمہارے اعمال کی جانچ کر کے رہیں گے"۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ (الحج 22:11)

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے، اگر کوئی فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور اگر کوئی مصیبت آگئی تو الٹا پھر گیا، دنیا میں بھی خسارہ میں رہا اور آخرت میں بھی، یہ ہے بالکل واضح خسارہ"۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

(العنکبوت 29:10-11)

"اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر، پھر جب اللہ کے راستے میں ستایا جاتا ہے تو لوگوں کی تکلیف کو اللہ کا عذاب سمجھتے ہیں اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مدد آجائے تو ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ خوب واقف نہیں اس سے جو جہان والوں کے سینوں میں ہے۔ اور اللہ لازماً ظاہر فرما دے گا انہیں جو ایمان لائے اور لازماً ظاہر فرما دے گا انہیں جو منافق ہیں"۔

نفاق کا مرض کس صورت میں پیدا ہوتا ہے؟

جس معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پکڑ جائے اور جس کے لیے مال و جان کی قربانی کا تقاضا واضح ہو جائے تو ان حالات میں تین گروہ لازماً وجود میں آجاتے ہیں:

1. مال و جان کے ساتھ تحریک کا ساتھ دینے والے
2. ڈٹ کر تحریک کی مخالفت کرنے والے
3. نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے یعنی منافق

منافقین کی وفاداری صرف اپنی جان اور مال سے ہوتی ہے لہذا وہ پہلے دو گروہوں میں سے کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے لیکن دونوں سے تعلقات استوار رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی انقلابی تحریک کے حوالے سے پہلے گروہ کا ذکر سورۃ البقرۃ[2] کی آیات 3 تا 5 میں، دوسرے گروہ کا ذکر آیات 6 تا 7 میں اور تیسرے گروہ کا ذکر آیات 8 تا 16 میں بیان کیا گیا ہے۔

آج کے معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پر نہیں لہذا ہم ان گروہوں کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ البتہ ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینا ہو گا کہ ہم پر دین کے جو تقاضے واضح ہوئے ہیں اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہے اور کہیں ہم مرضِ نفاق میں مبتلا تو نہیں ہیں؟

مرضِ نفاق کی اقسام:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اَلنِّفَاقُ نِفَاقَانِ نِفَاقُ الْعَمَلِ وَنِفَاقُ التَّکْذِیْبِ (۱)

"نفاق دو طرح کا ہے عمل کا نفاق اور جھٹلانے کا نفاق"

جھٹلانے کے نفاق سے مراد ہے شعوری یا اعتقادی نفاق اور عمل کے نفاق سے مراد ہے غیر شعوری یا عملی نفاق۔

1. شعوری یا اعتقادی نفاق:

شعوری یا ارادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص سازش کے تحت ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اسلام کا لبادہ اوڑھ لے۔ قرآنِ حکیم میں شعوری منافقین کا تذکرہ اس طرح ہوا:

وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚۖ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ (آل عمران[3]:72-73)

(۱) سنن الترمذی، کتاب الإیمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی علامۃ المنافق

"اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ (یہود) نے کہا کہ ایمان والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر دن کے ابتدائی حصہ میں ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں اس کا انکار کر دو تاکہ وہ (مسلمان اپنے دین سے) لوٹ آئیں۔ اور جو تمہارے دین کی پیروی کرے اس کے سوا کسی کی بات نہ مانو"۔

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ (المائدۃ5:61)

"اور جب بھی وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ ہی آئے تھے اور اسی (کفر) کے ساتھ واپس گئے اور اللہ خوب واقف ہے اس سے جو وہ چھپایا کرتے ہیں"۔

گویا شعوری منافقین پر حالتِ ایمان ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں آتی۔

2. غیر شعوری یا عملی نفاق:

یہ نفاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص پورے اخلاص سے مسلمان ہو لیکن جب دین پر عمل، اس کی تبلیغ اور اس کے غلبہ کی جدوجہد کے لیے مال وجان کی قربانی کے تقاضے سامنے آئیں تو وہ پسپائی اختیار کر لے۔ قرآنِ حکیم میں غیر شعوری منافقین کا تذکرہ بہت کثرت سے ہوا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ (البقرۃ2:8-9)

"اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور آخرت کے دن پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو حالانکہ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے"۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ (المنافقون63:3)

"اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی پس وہ سمجھتے نہیں ہیں"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ (النساء4: 137-138)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ ان کو معاف نہ فرمائے گا اور نہ انہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا۔ (اے نبی ﷺ) منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجیے"۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ (آلِ عمران3: 167)

"وہ (منافقین) اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے"۔

مرضِ نفاق کا سبب:

- مرضِ نفاق کا بنیادی سبب ہے جان، اولاد اور مال کی محبت۔ یہ محبت فطری ہے لیکن اگر اس کی وجہ سے انسان اللہ کے ذکر اور اس کے مقرر کردہ فرائض سے غافل ہو جائے تو اسی سے نفاق کی بیماری کا آغاز ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن64: 15)

"بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش کا ذریعہ ہیں"۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون63: 9)

"اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے پس وہی خسارہ پانے والے ہیں"۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ (الزخرف43: 36)

"اور جو رحمان کے ذکر سے غفلت اختیار کرتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے"۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۗ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۗ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المجادلة58: 19)

"شیطان نے ان پر قابو پالیا، پس انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں

اور آگاہ ہو جاؤ بے شک شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے"۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ
ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

(الحدید 57:14)

"وہ (منافقین اہل ایمان کو) پکاریں گے کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ (مسلمان) جواب دیں گے ہاں، لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور تمہیں جھوٹی آرزوؤں نے دھوکہ میں ڈال دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور تمہیں بہت بڑے دھوکہ باز (شیطان) نے اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈال دیا"۔

- نفاق کا ایک اور سبب کھیل، تماشے، ڈرامے، فلمیں، ناچ گانے اور موسیقی وغیرہ ہیں جو اللہ اور اس کے احکامات سے غفلت کی وجہ بنتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَلْغِنَاءُ وَاللَّهْوُ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ (۱)

موسیقی اور کھیل تماشے دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی گھاس پیدا کرتا ہے۔

- اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی کے سبب بطور سزا مرضِ نفاق دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر ایک مسلمان اللہ سے اس کے دین کی خاطر مال و جان لگانے کا وعدہ کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے بدلہ میں"۔

اب سچے مومن وہی ہوتے ہیں جو مال و جان سے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کریں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ (الحجرات 49:15)

"مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ یہی لوگ سچے ہیں"۔

---

(۱) کنز العمال، جزء 15، 40670

قرآنِ حکیم ایسے سرفروشوں کے بارے میں کہتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب 33:23)

"مومنوں میں کتنے ہی جواں مرد ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اُس کو سچ کر دکھایا تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

اس کے برعکس جو لوگ دین کی خاطر مال و جان لگانے سے کنی کتراتے ہیں اور کلمہ طیبہ کے ذریعہ اللہ سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہی منافق قرار پاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت اس طرح بھی بیان کی گئی:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۞ (التوبة 9:75-77)

"اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل میں سے عطا کیا تو ہم ضرور خرچ کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ پس اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک جب وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُسے توڑ ڈالا اور بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"۔

ہم مسلمانانِ پاکستان نے اللہ سے اس وعدے پر ایک ملک حاصل کیا تھا کہ یہاں اس کے دین کو قائم کریں گے لیکن ہم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا لہٰذا اسی سبب سے آج مسلمانانِ پاکستان نفاقِ عملی اور نفاقِ باہمی کی افسوسناک مثال ہیں! ہمارے ملک کا دستور منافقت کا مجموعہ ہے۔ اس میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے واضح دفعات موجود ہیں لیکن ساتھ ہی اُن کو غیر مؤثر کرنے کی دفعات بھی شامل ہیں۔

مرضِ نفاق سے بچنے کے لیے حفاظتی تدبیر :

مرضِ نفاق کا سبب ہے اللہ اور اُس کے احکامات سے غفلت اور اس مرض سے بچنے کے لیے حفاظتی تدبیر ہے دوامِ ذکر۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿43﴾

(الاحزاب 33:41-43)

"اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کے تسبیح بیان کیا کرو۔ وہی ہے (اللہ) جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ وہ (اللہ) تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے"۔

سب سے افضل ذکر ہے قرآنِ حکیم جس سے نہ صرف اللہ کی بلکہ اس کے احکامات کی بھی یاددہانی ہوتی ہے۔ سورۃ محمد 47 آیت 24 میں منافقین کے بارے میں کہا گیا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾

"پس کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟"

مندرجہ ذیل احادیث میں نفاق سے حفاظت کی تدابیر بیان کی گئی ہیں:

1. کنز العمال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک قرآن اور ذکر دل میں اس طرح ایمان پیدا کرتے ہیں جیسے پانی گھاس پیدا کرتا ہے"۔

2. نماز ذکر کا جامع ذریعہ ہے۔ اس میں قولی اور بدنی ذکر بھی ہے اور تلاوتِ قرآنِ حکیم، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، درود اور دعائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلٰى كُتِبَتْ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ [1]

" جس نے چالیس دن تک تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ خالص اللہ کی رضا کے لیے باجماعت نماز

(1) سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل التکبیرۃ الأولیٰ، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ

پڑھی اس کی دو چیزوں سے نجات لکھ دی جاتی ہے جہنم سے نجات اور نفاق سے نجات"۔

3. حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَلُزُومُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ الدَّعْوَةَ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ [1]

"تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایک مسلمان کا دل نفاق میں مبتلا نہیں ہوتا، عمل کا خالصتاً اللہ کے لیے ہونا، ذمہ دار حضرات کے ساتھ خیر خواہی و وفاداری کرنا اور جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا کہ بے شک جماعت والوں کی دعائیں اسے محفوظ رکھتی ہیں"۔

مرضِ نفاق کی علامات:

مرضِ نفاق کی علامات میں کسی انسان کے کردار کی پستی، بزدلی اور غیر اخلاقی حرکات شامل ہیں۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور عورتوں کا کردار اس طرح پیش فرماتا ہے:

1. نیکی سے روکنا اور برائی کو عام کرنا:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (التوبة[9]:67)

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی طرح کے ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند کیے رکھتے ہیں (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے)۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا۔ بے شک منافق ہی فاسق ہیں"۔

2. دنیا سے محبت اور موت سے ڈرنا:

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (النساء[4]:77)

"پھر جب اُن پر جنگ فرض کر دی گئی تو اُن میں سے بعض لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے

(1) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع، عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بڑبڑانے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کے لیے "۔

3. قیادت کے خلاف خفیہ سرگوشیاں اور سازشیں کرنا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (المجادلۃ58:8)

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور معصیت اور زیادتی کے کاموں اور رسول ﷺ کی نافرمانی کے لیے"۔

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ (النساء4:81)

"اور وہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کی) اطاعت کریں گے لیکن جب آپ ﷺ پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے بعض لوگ رات کو آپ ﷺ کے فیصلوں کے برخلاف مشورے کرتے ہیں"۔

4. اجتماعات میں سرگوشیوں اور فوری تبصروں کے لیے ساتھ بیٹھنا اور اجتماع کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرنا۔ سورۃ المجادلۃ58 آیت 11 میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جاؤ۔ اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو"۔

5. تحریک کے دشمنوں سے دوستیاں رکھنا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ (المجادلۃ58:14)

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب

ہوا۔ وہ نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ اُن کے ساتھ"۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَاۙ ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

(النساء4:138-139)

"(اے نبی ﷺ) منافقین کو بشارت سنا دیجیے کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ اُن کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ تو بلاشبہ عزت تو سب اللہ ہی کی ہے"۔

6. نماز اور ذکرِ الٰہی میں سستی و کاہلی کرنا:

وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ (النساء4:142)

"اور جب (منافق) نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم"۔

مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ میں بھی منافقانہ کردار کی تصویر پیش کی گئی ہے:

i. آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ[1]

"منافق کی تین علامات ہیں (یعنی تین برائیاں ہیں جو اُس کے کردار میں راسخ ہو جاتی ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے"۔ ایک اور روایت میں مزید ہے کہ "خواہ روزہ رکھے اور نماز ادا کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے"۔

ii. أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ[2]

"چار خصلتیں جس میں بھی ہوں وہ پکا منافق ہے اور کسی شخص میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو یہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان خصال المنافق... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ

بھی نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اس سے باز آجائے۔(وہ چار خصلتیں یہ ہیں)جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑے تو گالی دینے پر اتر آئے"۔

iii. حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الْإِيمَانِ وَبُغْضُ الْأَنْصَارِ آيَةُ النِّفَاقِ[1]

"انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے"۔

iv. مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ[2]

"جس کو موت آگئی اس حال میں کہ اس نے نہ تو کسی غزوہ میں شرکت کی اور نہ اس میں شرکت (یعنی شہادت) کی تمنا کی تو اس کو نفاق کی ایک قسم پر موت آئی"۔

v. الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ[3]

"حیا اور کم گوئی ایمان کی دو علامات ہیں اور بے حیائی اور بہت زیادہ گفتگو نفاق کی دو علامات ہیں"۔

vi. سُئِلَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ مِنَ الْمُنَافِقُ، قَالَ: اَلَّذِي يَصِفُ الْإِسْلَامَ وَلَا يَعْمَلُ بِهِ[4]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نفاق کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "انسان اسلام کا دعویٰ کرے مگر اس پر عمل نہ کرے"۔

vii. اَلْغَيْرَةُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْمِذَاءُ مِنَ النِّفَاقِ "قَالَ: قُلْتُ: مَا الْمِذَاءُ؟ قَالَ: " الَّذِي لَا يَغَارُ"[5]

"غیرت مندی ایمان میں سے ہے اور مِذاء نفاق میں سے ہے"۔ انہوں نے کہا میں نے سوال کیا کہ مِذاء کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ جو غیرت نہ رکھے"۔

viii. عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْقُرَشِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: نَظَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى شَابٍّ قَدْ نَكَسَ فِي الصَّلَاةِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَهُ: مَا هٰذَا؟ إِرْفَعْ رَأْسَكَ فَإِنَّ الْخُشُوعَ لَا يَزِيدُ عَلَى مَا فِي الْقَلْبِ فَمَنْ

(۱) سنن النسائي، كتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، عن أنس رضی اللہ عنہ

(۲) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ

(۳) سنن الترمذي، كتاب البر والصلة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء في العي، عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ

(۴) مصنف ابن أبي شيبة، جزء ۸، رقم ۳۰۷

(۵) الإبانة الكبرى لابن بطة، باب ذكر الأفعال والأقوال التي تورث النفاق، وعلامات المنافقين، الغيرة من الإيمان... عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ

أَظْهَرَ لِلنَّاسِ خُشُوْعًا فَوْقَ مَا فِي قَلْبِهِ فَإِنَّمَا أَظْهَرَ نِفَاقًا عَلَى نِفَاقٍ [1]

محمد بن عبد اللہ القرشی روایت کرتے ہیں اپنے والد سے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے نماز میں سر جھکا رکھا ہے تو انہوں نے اس سے کہا: "یہ کیا ہے؟ اپنے سر کو سیدھا رکھو۔ بے شک خشوع اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنا دل میں ہوتا ہے۔ جس نے اپنے دل میں موجود خشوع سے زیادہ لوگوں پر ظاہر کیا تو بے شک اس نے نفاق پر نفاق کو ظاہر کیا"۔

ix. إِنَّ الشُّحَّ وَالْفُحْشَ وَالْبَذَاءَ مِنَ النِّفَاقِ، وَإِنَّهُنَّ يَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا، وَيُنْقِصْنَ مِنَ الْآخِرَةِ [2]

"بے شک دل کی لالچ اور فحش اور بے حیائی نفاق میں سے ہیں اور یہ دنیا (کی لذت) میں اضافہ کرتے ہیں اور آخرت (کے اجر و ثواب) میں کمی کرتے ہیں"۔

مرضِ نفاق کے درجات:

اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اس کے تقاضے ہیں کہ اس کی تعلیمات پر زندگی کے ہر گوشے میں عمل کیا جائے اور اس کی تعلیمات کو پھیلانے اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے مال اور جان سے جہاد کیا جائے۔ دین کے یہ تقاضے سامنے آنے کے بعد درست روش یہ ہے کہ انسان تن من دھن کے ساتھ یہ تقاضے ادا کرے اور اس راہ میں درپیش ہر طنز، تشدد اور آزمائش کو جھیلنے کے لیے تیار ہو:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبة 9:111)

"بے شک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض میں۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون وعدہ وفا کرنے والا ہے۔ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے"۔

(۱) کنز العمال، جزء 8، 22528

(۲) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب التاسع والثلاثون من شعب الإيمان، باب الحياء بفصوله

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

ناپسندیدہ روش یہ ہے کہ دین کے تقاضے سامنے آنے کے بعد انسان مال و جان کی محبت میں گرفتار ہو کر ان تقاضوں سے پہلو تہی کرے:

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

ایسا انسان جب تک اپنی کمزوری اور قوتِ ارادی کی کمی کا اعتراف کرتا رہے وہ نفاق کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے "ضُعفِ ایمان" یعنی ایمان کی کمزوری کا عارضہ لاحق ہے۔ نفاق کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی بے عملی کا بہانہ اور جواز پیش کرے۔ اب اس نفاق کے چار درجے ہو سکتے ہیں:

1. نفاق کا پہلا درجہ: انسان اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے جھوٹا عذر پیش کرے
قرآنِ حکیم کی کئی آیات میں جھوٹ کو منافقین کی نمایاں صفت قرار دیا گیا ہے:

i. اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ (المنافقون[63]:1)

"جب منافق آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں"۔

ii. فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ (البقرة[2]:10)

"ان کے دل میں ایک مرض ہے، اللہ نے بھی ان کے مرض میں اضافہ کر دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں"۔

iii. یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ (آل عمران[3]:167)

"وہ اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہے"۔

2. **نفاق کا دوسرا درجہ:** اپنے بہانے میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا

قرآنِ حکیم میں اس درجہ کا بھی کثرت سے ذکر ہے:

i. وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ (النور 24:53)

"اور وہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم دیں تو (اللہ کی راہ میں) ضرور نکلیں گے۔ کہہ دیجیے کہ قسمیں مت کھاؤ۔ (مطلوب ہے) بھلے طریقہ سے اطاعت بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے"۔

ii. اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ (المنافقون 63:2)

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا پس وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں (خود بھی رکتے ہیں) بے شک بہت برا ہے عمل جو وہ کرتے ہیں"۔

iii. یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ (التوبة 9:62)

"وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ (اے مسلمانو) تمہیں راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے اگر وہ مومن ہیں"۔

iv. یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۹۶﴾ (التوبة 9:96)

"وہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ (اے مسلمانو) تم ان سے راضی ہو جاؤ، اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بے شک اللہ فاسق قوم سے راضی نہیں ہوتا"۔

v. یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ (المجادلة 58:18)

"جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو وہ اللہ کے حضور میں قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ سمجھیں گے کہ وہ کسی دلیل پر ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں"۔

3. **نفاق کا تیسرا درجہ:** اپنی کمزوری چھپانے کے لیے دوسرے ساتھیوں کو دین کے لیے قربانی دینے سے روکنا تا کہ وہ بھی ان ہی کی طرح ہو جائیں

قرآنِ حکیم اس درجہ کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

i. اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾ (آل عمران[3]:168)

"وہ کہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر وہ (مسلمان) ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے۔ کہہ دیجیے کہ تم اتنے سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت ٹال کر دکھاؤ"۔

ii. وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (التوبة[9]:81)

"اور اُنہوں نے کہا کہ (مسلمانو) گرمی میں (قتال کے لیے) نہ نکلو۔ (اے نبی ﷺ) فرما دیجیے کہ جہنم کی آگ زیادہ شدید ہے گرمی سے، اگر وہ جانتے"۔

4. **نفاق کا چوتھا درجہ:** مخلص ساتھیوں اور قائد سے دشمنی

قرآنِ حکیم میں نفاق کے اس درجہ کو بھی بڑی وضاحت سے نمایاں کیا گیا ہے:

i. وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ (البقرة[2]:13)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں بے وقوفوں کی طرح"۔

ii. هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (المنافقون[63]:7-8)

"وہ (منافق) کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں۔ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ کہتے ہیں جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو لازماً عزت والے اس میں سے ذلت والوں کو

نکال دیں گے۔ اور اللہ ہی کے لیے عزت ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور ایمان والوں کے لیے لیکن منافق جانتے نہیں"۔

iii. وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (المجادلۃ 58:8)

"اور جب (منافقین) آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو آپ کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے نہیں کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ ان کے لیے جہنم کافی ہے، وہ اس میں ڈالے جائیں گے اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے"۔

iv. وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ (النساء 4:61)

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسول ﷺ کی طرف تو آپ ﷺ دیکھتے ہیں کہ منافق آپ ﷺ کے پاس آنے سے کتراتے ہیں"۔

v. وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنافقون 63:5)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے بخشش مانگیں تو وہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں اور آپ ﷺ دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے اعراض کرتے ہیں"۔

vi. وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء 4:78)

"اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ (اے نبی ﷺ) آپ کی وجہ سے ہے۔ (اے نبی ﷺ) فرما دیجیے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے"۔

vii. وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (التوبۃ 9:58)

"اور ان میں سے کچھ ہیں جو (اے نبی ﷺ) آپ پر الزام تراشی کرتے ہیں صدقات کے معاملے میں"۔

viii. وَ مِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ (التوبة 9:61)

"اور ان میں سے کچھ ہیں جو نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں"۔

مخلص ساتھیوں اور قائد سے دشمنی نفاق کا وہ درجہ ہے جہاں غیر شعوری نفاق شعوری نفاق میں بدل جاتا ہے۔ اب یہ مرض ناقابلِ علاج ہو جاتا ہے۔

مرضِ نفاق کا علاج:

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

مرضِ نفاق پیدا ہوتا ہے مال و اسباب کی محبت سے۔ اس کا علاج ہے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انفاق کرنا یعنی مال جیسی محبوب شے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝ وَ لَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (المنافقون 63:10-11)

"اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے اے میرے رب تو نے مجھے ایک قریبی مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں خوب صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دیتا جب اُس کی موت آجائے اور اللہ خوب واقف ہے اُس سے جو تم کرتے ہو"۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا (التوبة 9:103)

"(اے نبی ﷺ) ان کے اموال میں سے صدقہ لیجئے تاکہ انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں"۔

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ کن کو ہے؟

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ ان لوگوں کو ہے جن پر دینِ اسلام کے اصل تقاضے یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی اطاعت کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور دین کے غلبے کے لیے مال اور جان سے جہاد کرنا واضح ہو چکے ہیں۔ اب اگر وہ ان تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

درسِ پنجم:

سورۃ المنافقون 63

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿١﴾ اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ
إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۗ وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۗ كَأَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۗ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۗ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۗ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۖ
أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ
رَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٥﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ۗ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا
تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا
الْأَذَلَّ ۗ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَأَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ أَخَّرْتَنِيْٓ إِلٰٓى أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَنْ
يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١١﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ چہارم کا درسِ پنجم سورۃ المنافقون[63] پر مشتمل ہے۔
2. سورۃ المنافقون[63] کی - مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔

اِن سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:

- اِن میں سے اکثر سورتوں کا زمانۂ نزول مدنی دور کا نصف ثانی ہے۔ اِس دور میں امتِ مسلمہ کی تشکیل ہو چکی تھی اور ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ چکا تھا، لہٰذا اِن سورتوں میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ضمنی طور پر ہے اور اُن میں سے خصوصاً اہلِ کتاب کا ذکر ہے بطورِ عبرت۔ اہلِ کتاب مسلمانوں سے قبل امت کے منصب پر فائز تھے لیکن اُن میں بعض ایسی اعتقادی اور عملی گمراہیاں آ گئیں جن کی وجہ سے اللہ اُن سے ناراض ہو گیا۔ اِن سورتوں میں ہمیں دعوتِ غور و فکر دی جا رہی ہے کہ ہم دیکھیں یہ گمراہیاں کن کن راستوں سے آئیں اور پھر ہم اِن گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔
- اِن سورتوں میں ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے جذبۂ عمل میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے جس پر متوجہ کیا جا رہا ہے جیسے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ (الحدید[57]:8)

"اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ (اُس کے) رسول ﷺ تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر"۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الحدید[57]:10)

"اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف[61]:2-3)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کو سخت

بیزار کرنے والی ہے یہ بات کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں"۔

- اِن سورتوں میں اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔
- اِن سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور اِنہیں مسبّحات کہا جاتا ہے۔ سورۃ الحدید[57]-سورۃ الحشر[59]-سورۃ الصف[61] کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّحَ آیا ہے اور سورۃ الجمعۃ[62]-سورۃ التغابن[64] کے آغاز میں مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ اِستعمال ہوا ہے۔ سورۃ الحشر[59] اِس اعتبار سے منفرد ہے کہ اِس کی پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے اِن میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورۃ التغابن[64]، حصہ سوم میں سورۃ التحریم[66]، حصہ چہارم میں سورۃ الصف[61]، سورۃ الجمعۃ[62]، سورۃ المنافقون[63] اور حصہ ششم میں سورۃ الحدید[57] شامل ہے۔

3. سورۃ المنافقون[63] "حقیقتِ نفاق" کے موضوع پر ایک جامع سورت ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کی اِن چند سورتوں میں سے ہے جن کے نام اور موضوع میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ اِس سورۃ میں مرضِ نفاق کا سبب، علامات، درجات، ھلاکت خیزی، حفاظتی تدابیر اور علاج جیسے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء[4]، سورۃ التوبۃ[9]، سورۃ النور[24] اور سورۃ الاحزاب[33] میں نفاق کے موضوع پر جو تفصیلات آئی ہیں اُن سب کا خلاصہ اِس سورۃ میں ہے۔
4. قرآنِ حکیم میں سورۃ المنافقون[63] سے پہلے سورۃ الصف[61] اور سورۃ الجمعۃ[62] ہیں۔ اِن دو سورتوں کے ساتھ سورۃ المنافقون[63] کا ربط یہ ہے کہ سورۃ الصف[61] اور سورۃ الجمعۃ[62] کا موضوع ہے غلبۂ دین کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور اِس کا اساسی طریقہ کار جبکہ جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض کا نتیجہ ہے نفاق جو کہ موضوع ہے سورۃ المنافقون[63] کا۔
5. قرآنِ حکیم میں سورۃ المنافقون[63] کے فوراً بعد سورۃ التغابن[64] آئی ہے۔ اِن دونوں سورتوں میں باہم جوڑا ہونے کی نسبت ہے۔ سورۃ المنافقون[63] کا موضوع ہے حقیقتِ نفاق جبکہ سورۃ التغابن[64] کا موضوع ہے حقیقتِ ایمان۔ نفاق در حقیقت کفرِ حقیقی ہے جو ایمانِ حقیقی کی ضد ہے۔

6. سورۃ المنافقون[63] کا پس منظر یہ ہے کہ اِس کا زمانہ نزول ہے مدنی دور کا وسط۔ یہ وہ دور ہے کہ جب مسلح تصادم کا مرحلہ زوروں پر تھا اور جس کے خوف کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں میں منافقین کا گروہ نمایاں ہو چکا تھا۔ مکی دور میں اِسلام قبول کرنا مشکلات و مصائب کو دعوت دینا تھا۔ اِس دور میں وہی جواں مرد ایمان لانے کا اعلان کرتا تھا جس کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکی سورتوں میں نفاق کا ذکر کم ہے۔ ابتدائی مدنی سورتوں میں بھی منافقین کے کردار پر پردہ ڈالا گیا اور بغیر نفاق کی اصطلاح اِستعمال کیے ہوئے اُن کا ذکر کیا گیا۔ البتہ مدنی دور کے وسط اور آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں منافقین کے کردار کو بالکل واضح الفاظ میں بے نقاب کر دیا گیا۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے اکثر لوگ بالخصوص سرداران ایمان لا چکے تھے۔ لہٰذا یہاں ایمان لانے میں کوئی خطرات نہیں بلکہ فائدے تھے۔ اِسی لیے بعض کمزور طبائع کے لوگ بھی ایمان لے آئے لیکن جب اُن کے سامنے دین کی خاطر مال و جان لگانے کے تقاضے آئے تو پسپائی اختیار کی اور مرضِ نفاق میں مبتلا ہو گئے۔

7. مضامین کے اعتبار سے سورۃ المنافقون[63] کی آیات کا تجزیہ اِس طرح ہے:

- آیات 1-3: مرضِ نفاق کے ابتدائی تین درجات
- آیات 4-8: مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ اور اِس مرض کی ہلاکت خیزی
- آیت 9: مرضِ نفاق کا سبب اور اِس کی حفاظتی تدبیر
- آیات 10-11: مرضِ نفاق کا علاج

آیات پر غور و فکر

آیات 1 تا 3

مرضِ نفاق کے ابتدائی تین درجات

آیت 1:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ... (اے نبی ﷺ) جب بھی منافق آتے ہیں آپ ﷺ کے پاس... قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ... کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ضرور اللہ کے رسول ہیں ... وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ... اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ اُس کے رسول ہیں... وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اور اللہ گواہی دیتا ہے بلاشبہ یہ منافقین واقعی جھوٹے ہیں۔

منافقین نبی اکرم ﷺ کی اطاعت سے تو پہلو تہی کرتے تھے لیکن محض اپنی باتوں سے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا" اور "جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے"۔ اپنی عملی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے بار بار یقین دہانی کراتے کہ اے نبی ﷺ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ ﷺ میرے رسول ہیں لیکن میں بذاتِ خود گواہی دیتا ہوں کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ اگر یہ دل سے آپ کی رسالت پر ایمان رکھتے تو آپ ﷺ کی اطاعت کرتے۔ اُن کی کیفیت یہ ہے کہ:

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (المائدۃ 5:41)

"(یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے لیکن اُن کے دل ایمان نہیں لائے"۔

اِس آیت میں منافقین کے جھوٹا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ جھوٹ ہی مرضِ نفاق کا پہلا درجہ ہے یعنی دینی تقاضوں سے اعراض کے لیے جھوٹا عذر تراشنا۔

آیت 2:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً ... اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے ... فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ... پس وہ رکتے ہیں اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ... اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ... کچھ شک نہیں کہ برا ہے عمل جو وہ کر رہے ہیں۔

مرضِ نفاق کا دوسرا درجہ ہے کہ اپنے جھوٹے بہانوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے قسمیں کھانا۔ اللہ کی راہ میں نکلنے سے اعراض پر شرمندگی، جواب دہی اور تادیبی کاروائی سے بچنے کے لیے اُنہوں نے اپنی قسموں کو پناہ گاہ بنالیا۔ پھر اِس مرض کا تیسرا درجہ ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں نکلنے سے روکنا تاکہ اِن کی کمزوری نمایاں نہ ہو۔ دین کی خاطر مال و جان کی قربانیوں سے اعراض کرنے والا انسان دوسروں کو عملی اعتبار سے خدمتِ دین سے نہ بھی روکے تب بھی اپنی طرزِ عمل سے اُن کے حوصلے پست ضرور کرتا ہے اور یہ بھی روکنے ہی کی ایک صورت ہے۔

آیت 3:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ... یہ اِس لیے کہ وہ ایمان لائے ... ثُمَّ كَفَرُوْا ... پھر اُنہوں نے کفر کیا ... فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ... تو اُن کے دلوں پر مہر لگادی گئی ... فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ... سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔

اِس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو خلوص کے ساتھ ایمان لائے تھے لیکن بعد ازاں دین کے تقاضوں سے پسپائی اختیار کی اور ایمانِ حقیقی سے محروم ہوگئے۔ یہی بات زیادہ وضاحت سے سورۃ النساء میں بیان ہوئی کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النساء 4:137-138)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر اُنہوں نے کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ تعالیٰ اُن کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی اُنہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجیے کہ اُن کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے"۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر منافقین کے بارے میں ایمان و کفر کی کشمکش کو یوں بیان کیا گیا:

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ (آل عمران 3:167)

"اُس روز وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ قریب تھے"۔

یہ ہے مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ کہ کچھ آگے بڑھا، پھر پیچھے ہٹا، پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی، لیکن پھر کوئی مشکل مرحلہ آگیا تو پسپائی اختیار کرلی۔ بقول غالب:

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

اِس کیفیت کی تمثیل سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بیان ہوئی ہے:

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا (البقرۃ 2:20)

"جب (بجلی چمکتی اور) اُن پر روشنی ڈالتی ہے تو اُس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں"۔

یعنی ایمان کی روشنی کی وجہ سے دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں اور قدم اٹھاتے ہیں۔ پھر ہمت جواب دے دیتی ہے، جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو بیٹھ رہتے ہیں۔ پھر ہمت کرتے ہیں، پھر بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ عمل جاری رہتا ہے، تا آنکہ ایسے لوگ مستقلاً بیٹھ رہتے ہیں اور اُن سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب کرلی جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں یہاں فرمایا: فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ("تو اُن کے دلوں پر مہر کردی گئی، پس وہ سمجھتے نہیں ہیں یعنی فہم سے محروم ہو چکے ہیں")۔

اِس آیت میں اعلانیہ یا قانونی کفر کا ذکر نہیں۔ نفاق کا کل معاملہ قلب سے متعلق ہے۔ قلب میں ایمان ہے تو انسان مؤمن ہے اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو پھر اُس کے منافق ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ دنیا میں ظاہری طور پر دونوں صورتوں میں انسان کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا جیسے رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی مثال ہے جس کے کفن کے لیے آپ ﷺ نے اپنا کرتا دیا اور ایک روایت کے مطابق اُس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی [1]۔ اِس کے بعد آپ ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع کردیا گیا:

(1) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ { وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا } عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبۃ 9:84)

"اور (اے نبی ﷺ!) اِن (منافقین) میں سے کوئی مر جائے تو کبھی بھی اُس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھایئے اور نہ اُس کی قبر پر (دعا کے لیے) کھڑے ہوں۔ اُنہوں نے کفر کیا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا اور مرے اِس حال میں کہ وہ نافرمان تھے"۔

اِس آیت کے نزول کے بعد منافقین کی نمازِ جنازہ دوسرے مسلمان پڑھاتے رہے۔ گویا دنیا میں منافق مسلمان ہی شمار ہوتے رہے البتہ آخرت میں منافقین کو مومنین سے علیحدہ کر کے بے نقاب کر دیا جائے گا۔

آیات 4 تا 8

مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ اور اس مرض کی ہلاکت خیزی

آیت 4:

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ ... اور جب بھی آپ ﷺ اُنہیں دیکھتے ہیں... تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ ... تو اُن کے (ظاہری) جسم آپ ﷺ کو متاثر کرتے ہیں... وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ ... اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو آپ ﷺ اُن کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں... كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ ... گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں... يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ ... ہر زور کی آواز کا رُخ اپنی طرف سمجھتے ہیں... هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ ... وہ دشمن ہیں اُن سے بے خوف نہ رہنا... قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ... اللہ اُن کو ہلاک کرے یہ کہاں سے لوٹائے جاتے ہیں۔

اِس آیت میں منافقین کی ظاہری اور معنوی حقیقت کھول دی گئی ہے۔ ظاہری اعتبار سے یہ اپنے مال و دولت اور تن و توش کی وجہ سے محفل میں ہر شخص کو مرعوب کر دیتے ہیں۔ محفل میں اُن کی بات توجہ سے سنی جاتی ہے۔ البتہ معنوی اعتبار سے یہ اِس قدر بزدل ہوتے ہیں کہ دشمن کے حملہ کا نشانہ بھی خود کو سمجھتے ہیں اور جہاد کے لیے مال و جان کی قربانی کی ندا کا رخ بھی اپنی طرف سمجھ کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔ اِس کے برعکس بندۂ مومن ممکن ہے کہ ظاہری اعتبار سے نحیف ہو لیکن معنوی شخصیت کے اعتبار سے وہ ایسی عظیم قوت، ارادے اور عزیمت کا پیکر ہوتا ہے کہ تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیتا ہے اور قوموں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ[1]

"بے شک اللہ نہیں دیکھتا تمہاری صورتیں اور مال اور بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دل اور اعمال"۔

منافقین کی معنوی شخصیت کی کمزوری کے لیے بڑی عمدہ تشبیہ دی گئی ہے ایک سوکھی ہوئی لکڑی کی جسے سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہے۔ بعض پودوں کے تنے کمزور ہوتے ہیں لیکن زمین سے غذا لے کر اپنے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔ اِس کے برعکس درخت کا موٹا سا تنا ہوتا ہے لیکن سوکھنے کے بعد بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں منافقین کو مسلمانوں کا پوشیدہ دشمن قرار دیا اور ہدایت فرمائی کہ منافقین آستین کا سانپ ہیں لہٰذا اُن سے ہوشیار رہا جائے۔ یہ مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ ہے یعنی مخلص ساتھیوں اور قیادت سے دشمنی، بغض اور نفرت۔ یہ اِس مرض کا آخری درجہ ہے جس کے بعد انسان Point of no return پر پہنچ جاتا ہے، یہ بیماری لاعلاج ہو جاتی ہے اور انسان شعوری نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ... "اللہ اُنہیں ہلاک کرے یہ کہاں سے لوٹائے جا رہے ہیں" کے الفاظ میں منافقین کی محرومی پر حسرت ہے۔ اُنہیں دورِ نبوی ﷺ میں جینا، آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی صحبت سے فیض حاصل کرنا نصیب ہوا۔ بہت سے مسلمان اِن نعمتوں کی تمنا کرتے ہیں۔ منافقین ایسے بدنصیب ٹھہرے کہ باوجود ایسی عظیم نعمتیں میسر ہونے کے، چند روزہ دنیوی مال و اسباب کی محبت کے عوض ہمیشہ کے عذاب کا سودا کر بیٹھے۔ فوز و فلاح کی منزل کے قریب پہنچ کر ابدی خسارے کی طرف لوٹائے گئے۔

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

آیت 5:

وَ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ ... اور جب بھی اُن سے کہا جاتا ہے ... تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ... آؤ تاکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے مغفرت مانگیں ... لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ ... تو اپنے سر ہلا دیتے ہیں (انکار میں) ... وَ رَاَيْتَهُمْ ... اور آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہیں ... يَصُدُّوْنَ ... کہ وہ رکتے ہیں ...

(1) صحیح مسلم، کتاب البِرِّ وَالصِّلَةِ وَالآدَابِ، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ . . . اِس حال میں کہ وہ تکبر کرتے ہیں۔

منافقین کا نبی اکرم ﷺ سے بغض اور عداوت کا معاملہ یہ تھا کہ مخلص مسلمان جب منافقین سے کہتے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور غلطی کا اعتراف کر لو تو وہ تکبر اور جھنجھلاہٹ سے سر ہلاتے کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ قرآنِ حکیم نے تو اُن کو یہ خوشخبری دی تھی کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء4:64)

"اور اگر اُنہوں نے جب (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپ ﷺ کی خدمت میں آتے، اللہ سے بخشش مانگتے، رسول ﷺ بھی اُن کے حق میں دعائے اِستغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے"۔

لیکن افسوس منافقین میں مرضِ نفاق اِس اِنتہا تک پہنچ گیا تھا کہ اُنہوں نے دربارِ نبوی ﷺ میں آنا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اپنے تکبر کی وجہ سے مذکورہ بالا خوشخبری کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہے۔

آیت 6:

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ . . . برابر ہے اُن کے حق میں . . . اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ . . . آیا آپ ﷺ اُن کے لیے مغفرت طلب کیجیے . . . اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ . . . یا مغفرت طلب نہ کیجیے . . . لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ . . . اللہ اِن کو ہرگز نہ بخشے گا . . . اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ . . . بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِس آیت میں مرضِ نفاق کی ہلاکت خیزی بیان ہوئی ہے۔ روزِ قیامت ہمارے لیے نجات کی ایک امید نبی اکرم ﷺ کی دُعائے شفاعت کا حصول ہے۔ منافقین کے حق میں یہ دعائے شفاعت قبول نہ ہو گی۔ سورۃ التوبۃ9 آیت80 میں تو یہ وعید بھی بیان کی گئی کہ:

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

"اگر آپ ﷺ اُن کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ہرگز اُن کو معاف نہ فرمائے گا"۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ

"اے اللہ! ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر دے"۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں اِسی قاعدہ کلیہ کو دہرایا گیا جو اِس سے پہلے سورۃ التوبۃ[9] آیت 24 اور سورۃ الصف[61] آیت 5 میں بیان ہوا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ... یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ بات اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ زبردستی ہدایت دینی ہوتی تو پھر کون ہوتا جو ہدایت سے محروم رہ جاتا۔ اللہ تو اُنہی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے طالب اور اِسے قبول کرنے کا فی الواقع ارادہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ دیدہ و دانستہ فسق و فجور کے راستہ پر چل رہے ہوں، اُنہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا ضابطہ نہیں ہے۔

آیات 7- 8:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ... یہی ہیں جو کہتے ہیں... لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ... جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو... حَتّٰى يَنْفَضُّوْا... یہاں تک کہ یہ چلے جائیں... وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ... حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں... وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝... لیکن منافق نہیں سمجھتے... يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ... کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے... لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ... تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے... وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ... اور عزت تو اللہ، اُس کے رسول اور اہلِ ایمان کے لیے ہے... وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝... لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

اِن آیات کے پس منظر میں دورِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ ہے جس سے منافقین کے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ غزوۂ بنی مصطلق (5 ہجری) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کچھ منافقین بھی لشکر میں شامل تھے۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی اور اس کے کچھ ساتھی بھی موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ واپسی پر مریسیع کے کنویں کے قریب جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا، دو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک مہاجر صحابی حضرت جہجاہ رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ملازم تھے اور دوسرے انصاری صحابی تھے۔ جھگڑا زیادہ بڑھا، پرانی

عصبیتوں کو آواز دی گئی اور ہوتے ہوتے یہ معاملہ مہاجرین اور انصار کے مابین ایک جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، سمجھایا بجھایا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اِس کے بعد کچھ لوگ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کے پاس گئے اور تشویش کا اظہار کیا کہ مہاجرین کی جرأتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ عبد اللہ بن اُبی کو اپنے خبثِ باطن کے اظہار کے لیے ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اُس نے لوگوں کو سخت سست کہا کہ آج مجھ سے کیا کہتے ہو، یہ سب کچھ تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ خستہ حال مہاجرین مکہ سے آئے تھے، اِن کے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تم نے اِن کو جگہ دی، تم نے اِنہیں پناہ دی اور تم نے اِن پر خرچ کیا۔ اب اِن کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ہم اہلِ مدینہ اِن کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ اپنا دستِ تعاون اِن سے کھینچ لو اور اِن پر خرچ نہ کرو تو یہ سب چلتے بنیں گے۔ یہ ایمان اور جہاد کا غلغلہ محض اِس وجہ سے ہے کہ اِن لوگوں کو کھانے پینے کو ملتا ہے، آرام اور آسائش حاصل ہے۔ یہ سہولت اگر سلب کر لی جائے تو یہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی۔ اُس نے بہت زور دے کر کہا جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو صاحبِ عزت یعنی مدینہ کے قدیم باشندے (Sons of the soil) ہیں وہ اِن کمزور اور بے حیثیت مہاجروں کو مدینہ سے بے دخل کر دیں گے۔

ایک کم عمر صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جا کر یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی کو طلب فرمایا اور باز پُرس کی۔ وہ صاف قسم کھا گیا کہ میں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کہی اور یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی پوزیشن بڑی خراب ہو گئی۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق و تصویب کی اور منافقین کی غلط بیانی اور ناپاک عزائم کا پردہ چاک کر دیا۔[1]

(1) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ {إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ - } عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ

آیت 9

مرضِ نفاق کا سبب اور اِس کی حفاظتی تدبیر

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اے لوگو جو ایمان لائے ہو ... لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ... غافل نہ کردے تمہیں تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے ... وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ... اور جو ایسا کریں گے ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ تو وہی لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں۔

مرض نفاق کا سبب ہے مال و اولاد کی حد سے زیادہ محبت جو دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال 8:28)

"اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ہیں ہی آزمائش کا ذریعہ اور بلاشبہ اللہ کے پاس شاندار بدلہ ہے"۔

مرض نفاق کے سبب کی اِس تشخیص کے نتیجہ میں اِس مرض سے حفاظتی تدبیر ہے ہر دم اللہ کو اور اُس کے احکامات کو یاد رکھنا۔ انسان جب بھی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اِس پر حملہ آور ہو جاتا ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ (الزخرف 43:36)

"اور جو رحمان کے ذکر سے غفلت اختیار کرتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اُس کا ساتھی ہو جاتا ہے"۔

اِس کے برعکس اللہ کے نیک بندوں کا معاملہ یہ ہے کہ:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (النور 43:37)

"وہ جواں مرد جنہیں اُن کی تجارت اور لین دین غافل نہیں کرتے اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جب اُلٹ دیے جائیں گے دل اور آنکھیں"۔

یہی بات سورۃ المنافقون 63 کی اِس آیت میں تنبیہ کے انداز میں کہی گئی کہ دیکھنا کہیں تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں اور جو غافل ہو گیا وہ ہمیشہ ہمیش کے خسارے میں چلا گیا۔

ذکر کے معنی ہیں اِسْتِحْضَارُ اللہِ فِی الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کو یاد رکھنا۔ صوفیاء کا قول ہے "جو دم غافل سو دم کافر"۔ ذکر کے ذرائع ہیں قرآنِ حکیم، نماز، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، اِستغفار، مسنون اذکار اور دعائیں۔ مؤثر ترین ذریعہ ذکر ہے قرآنِ حکیم اور جامع ترین ذریعہ ذکر ہے نماز۔ اِن کے بعد درجہ ہے دیگر اذکارِ مسنونہ کا۔ البتہ اگر کوئی شخص خاموش ہے لیکن اُس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہے تب بھی وہ حالتِ ذکر میں ہے۔ پھر ذکر سے مراد یہ بھی ہے کہ ہم ہر کام کرتے ہوئے اللہ کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو یاد رکھیں، جھوٹ نہ بولیں، کسی کو دھوکہ نہ دیں، اپنے جملہ فرائض دیانت داری سے ادا کریں وغیرہ۔

آیات 10 تا 11

مرضِ نفاق کا علاج

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ... اور خرچ کرو اُس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے ... مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ... اِس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے ... فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ ... تو وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ ... فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ ... تاکہ میں صدقہ کرلیتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں سے ... وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ ... اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اُس کو جس کی موت آجاتی ہے ... وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ... اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔

مال کی محبت اور اُسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی ہوس ہی نفاق کا سبب ہے اور اِس کا علاج ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ مال خرچ کرنے سے انسان کے باطن سے دنیا کی محبت نکلتی ہے اور اِس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اِسی لیے ارکانِ اسلام میں مال کی ادائیگی کے فریضہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ دل دنیا کی محبت سے صاف ہوتا ہے تب ہی اُس میں نورِ ایمان اور اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

انفاق کے معنی ہیں کسی شے کو خرچ کرنا یا کھپا دینا۔ وسیع مفہوم میں انفاق صرف مال خرچ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہر اُس شے کو خرچ کرنے کے لیے آتا ہے جس پر انسان کو اختیار حاصل ہو۔ گویا مال

کے علاوہ جسمانی صلاحیت، اولاد اور املاک وغیرہ کو اللہ کی راہ میں لگانا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (الحدید[57] 7:)

"اور خرچ کرو ہر اُس شے میں سے جس پر تمہیں خلافت یعنی عارضی اختیار دیا گیا ہے"۔

رزق کے معنی بھی محض خوراک نہیں بلکہ وہ تمام صلاحیتیں اور نعمتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو دی ہیں۔ گویا انفاقِ رزق کا مطلب ہے مال کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتوں اور اولاد کو بھی اللہ کے دین کی خدمت میں وقف کر دینا۔

اگر انسان نفاق کے علاج کے لیے انفاق نہیں کرتا اور مال و وسائل سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے تو بالآخر موت تو آنی ہی ہے اور اُس وقت انسان اپنی تمام دنیوی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔ بدنصیب انسان اُس وقت اللہ سے فریاد کرے گا:

رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

"اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ تاکہ میں صدقہ کر لیتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں سے"۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (المؤمنون[23] 99-100:)

"یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے لوٹا دے تاکہ میں اُس (مال و اسباب) کے ذریعہ جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کر لوں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے جس کا وہ محض کہنے والا تھا اور اُس کے بعد برزخ ہے اُس دن تک کے لیے جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔

سورۃ الانعام[6] آیت 28 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

"اگر وہ لوٹا دیے جائیں تو جن (کاموں) سے اُن کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں گے"۔

لہٰذا جب ایک بار موت آجائے تو پھر اُسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ موت کا وقت معین ہے اور ملک الموت کو اُس سے آگاہ کر دیا گیا ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (السجدة 32:11)

"کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) تمہاری جان لے گا موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

اِسی طرح موت کی جگہ بھی طے شدہ ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء 4:78)

"تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو"۔

اللہ ہمیں وفات سے پہلے پہلے توبہ کرنے اور اپنے دین کی خاطر تین من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّيَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْكَذِبِ وَاَعْيُنَنَا مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ (آمین)